مجلس ادارت

معارف کا زرِ تعاون

ہندوستان میں سالانہ ۱۲۰/ روپے فی شمارہ ۱۲/ روپے
پاکستان میں سالانہ ۳۰۰/ روپے
دیگر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک پچیس پونڈ یا چالیس ڈالر
بحری ڈاک نو پونڈ یا چودہ ڈالر
پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحییٰ، شیرستان بلڈنگ
بالمقابل ایس ایم کالج اسٹریچن روڈ، کراچی۔

☆ سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

☆ رسالہ ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کی ۱۵ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اس کی اطلاع ماہ کے تیسرے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہئے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

☆ خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

☆ کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

پرنٹر، پبلیشر، ایڈیٹر۔ ضیاء الدین اصلاحی نے معارف پریس میں چھپوا کر دارالمصنفین شبلی اکیڈمی
اعظم گڈھ سے شائع کیا۔

جلد ۱۷۱ ماہ محرم الحرام، صفر المظفر ۱۴۲۴ھ مطابق ماہ اپریل ۲۰۰۳ء عدد ۴

فہرست مضامین

شذرات

افغانستان کو تہس نہس کرنے کے بعد اب عراق پر بھی امریکہ کی وحشیانہ بم باری ہو رہی ہے اور بے گناہ شہری مارے جارہے ہیں اور عراق تباہ و برباد ہو رہا ہے، اگر جنگ ختم نہیں ہوئی جس کے امکانات بظاہر دکھائی نہیں دیتے تو مسلمانوں کے مقدس مقامات اور زیارت گاہیں محفوظ نہیں رہیں گی اور جنگ ختم ہونے کے بعد بھی اس کے اثرات مدتوں باقی رہیں گے، اس وقت امریکہ کی مطلق العنانی اس لیے اور بڑھ گئی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں کوئی اس کے جوڑ کا نہیں رہا، وہ خود تو جس طرح کے چاہے خطرناک ہتھیار رکھے اور جسے چاہے مسلح کرے لیکن دوسرے ہتھیار نہ رکھیں، وہ خود ان کی دولت اور اس کے وسائل پر قابض ہو کر اپنی من مانی کرے، مسلم ممالک اس کا خاص نشانہ ہیں، ان میں پھوٹ ڈال کر ان کا استحصال کر رہا ہے، ان ہی کی دولت اور پیداوار کا خود مالک بن کر ان پر اس طرح سے بخشش کر رہا ہے جس طرح امرا غریبوں کو زکات دیتے ہیں، افغانستان کو دہشت گردی کے نام پر برباد کر کے وہاں اپنی مرضی کی حکومت قائم کردی اور القاعدہ اور کیمیاوی ہتھیاروں کا الزام لگا کر ساری دنیا کے علی الرغم عراق میں اپنی کٹھ پتلی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے، فلسطینیوں اور عربوں کو کچلنے کے لیے اسرائیل کو مسلح کرتا جارہا ہے اور جو مسلم نوجوان اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر اسرائیل کے ظلم و زیادتی کا انسداد کرنا چاہتے ہیں، وہ دہشت گرد اور القاعدہ کا ممبر سمجھ کر ہلاک کردیے جاتے ہیں، مسلمان واقعی مسلمان ہوتے تو ؏ نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں اور وہ دنیا کے اس سب سے بڑے دہشت گرد کو جو دولت، قوت، اقتدار اور اسلحے کے نشے میں متوالا ہو گیا ہے بتاتے کہ

تاریخ امم کا یہ فیصلہ ازلی ہے صاحب نظراں نشۂ قوت ہے خطرناک

الاستاذ عبدالعزیز المیمنی عربی زبان کے متبحر عالم، بلند پایہ ادیب اور ممتاز مصنف تھے، وہ ربع صدی تک شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے وابستہ رہے، اس سے سبک دوشی کو نصف صدی سے زیادہ زمانہ گزرا اور وفات کو بھی ربع صدی ہو گئے، اس لیے ان کی یاد تازہ کرنے، ان کے فضل و کمال، علمی و تصنیفی کارناموں اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے روشناس کرانے کے

لیے شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی کی جانب سے ان پر ۲۴ و ۲۵ فروری کو ایک نیشنل سمینار ہوا، اس کے افتتاحی جلسے کی صدارت شیخ الجامعہ جناب نسیم احمد صاحب نے فرمائی، ان ہی کے ہاتھوں شعبہ عربی کے استاذ ڈاکٹر طارق مختار کی کتاب "عربی تذکرہ نگاری کا ارتقا ابتدا سے عہد عباسی تک" کی رسم اجرا ہوئی، جس کا تعارف سابق صدر شعبہ عربی پروفیسر محمد راشد نے بڑی خوش اسلوبی سے کرایا، افتتاحی اجلاس کا کلیدی خطبہ میمنی صاحب کے خاص شاگرد پروفیسر مختار الدین احمد سابق صدر شعبہ عربی نے پڑھا جو بہت پر مغز، میمنی صاحب کی زندگی اور کارناموں کا مرقع اور گوناگوں معلومات کا خزانہ تھا، پروفیسر میمن کے دوسرے تلامذہ پروفیسر ریاض الرحمن خاں شیروانی اور پروفیسر رفیع الدین کے تاثرات بھی دلچسپی سے سنے گئے اور ان سے لوگوں کی معلومات میں اضافہ ہوا، اس اجلاس کی نظامت شعبے کے استاد اور سمینار کے کنوینر ڈاکٹر مسعود انور علوی نے کی جن کی شیوا زبانی اور شیریں بیانی دلکش اور جاں نواز ہوتی ہے۔

مقالات کے چھ اجلاس ہوئے، پہلے کی صدارت پروفیسر ریاض الرحمن خاں شیروانی نے کی اور دہلی کے پروفیسر سلیمان اشرف، پروفیسر سید اجتبا ندوی اور پروفیسر زبیر احمد فاروقی اور پروفیسر محسن عثمانی (حیدرآباد)، پروفیسر حسان خاں (بھوپال) اور پروفیسر عبدالباری (علی گڑھ) نے میمن صاحب کی زندگی اور کارناموں پر مضامین پڑھے، دوسرا اجلاس راقم کی صدارت میں ہوا اور پروفیسر سید احتشام ندوی (علی گڑھ)، پروفیسر عبدالعلی صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز مسلم یونیورسٹی اور پروفیسر بدرالدین الحافظ وغیرہ کے مقالات ہوئے، تیسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر سلیمان اشرف نے کی، جس میں مولانا حبیب ریحان خاں ندوی (بھوپال)، پروفیسر رفیع الدین (ناگ پور)، ڈاکٹر عتیق الرحمن (پٹنہ)، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، ڈاکٹر غلام مرسلین وغیرہ نے مقالات پیش کیے، چوتھا اجلاس بدرالدین الحافظ کے زیر صدارت ہوا اور خاکسار، ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی، ڈاکٹر سید جہاں گیر (حیدرآباد) اور پروفیسر عابد رضا بیدار نے مقالات پڑھے، پانچویں اجلاس کی مسند صدارت پر مولانا حبیب ریحان خاں فروکش ہوئے اور پروفیسر ریاض الرحمن خاں شیروانی، پروفیسر محمد ارشد ندوی، پروفیسر محمود الحق، پروفیسر مسعود الرحمن خاں، پروفیسر شفیق احمد، ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی کے مقالات ہوئے، چھٹا اجلاس شعبہ عربی کے موجودہ اور سابق اسکالروں کے لیے خاص تھا اس کی صدارت پروفیسر محمود الحق نے کی، اختتامی اجلاس کی صدارت ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے کی جس میں اہم شرکا نے

اجلاس کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرکے حاضرین کو محظوظ کیا، سیمینار بہت کامیاب رہا اور اس سے میمن صاحب کی شخصیت اور کمالات کے مختلف جلوے سامنے آئے، اس کے لیے شعبہ عربی کے موجودہ سربراہ پروفیسر کفیل احمد قاسمی اور ان کے رفقاے کار مبارک باد کے مستحق ہیں۔

۲۶ رفروری کو دہلی گیا، وہاں میرے عزیز دوست پروفیسر محمد اسماعیل شیث اعظمی جامعہ ملیہ اسلامیہ میں شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے سربراہ ہیں، انہیں معلوم ہوا کہ میں چند روز قیام کروں گا تو انہوں نے مجھے لکچر دینے کے لیے مدعو کیا، میں نے ''امام رازی کی تفسیر میں عقلی دلائل'' کے عنوان سے ۳ رمارچ کو خطبہ دیا جس کو غور و توجہ سے سنا گیا، پروفیسر عماد الحسن آزاد، ڈاکٹر فریدہ خانم اور شعبہ کے دوسرے اساتذہ و طلبہ نے سوالات کیے جن کا جواب دینے کی کوشش کی، اسی زمانے میں انجمن ترقی اردو ہند کا جشن صد سالہ بڑی دھوم دھام سے منایا جارہا تھا، دارالمصنفین کے بانی علامہ شبلی انجمن کے پہلے سکریٹری تھے، اس کی اور خود انجمن سے لگاؤ کی بنا پر دعوت کے بغیر ہی جشن میں شرکت کرنے کا ارادہ تھا مگر عدیم الفرصتی مانع ہوئی، تاہم اخباری رپورٹوں سے اس کی کامیابی کا اندازہ ہوا جس کے لیے انجمن کے موجودہ فعال سکریٹری تبریک کے مستحق ہیں، اس موقع پر بے اختیار نوک قلم پر یہ بات آگئی کہ اردو کا اہم مسئلہ اس وقت اس کی بنیادی تعلیم کا ہے، اس کے بغیر اس کا درخت سرسبز و شاداب نہیں رہ سکتا مگر نئی نسل میں اردو پڑھنے پڑھانے کا رواج کم سے کم تر ہورہا ہے اور اردو والے پتیوں پر چھڑکاؤ کرکے خوش ہورہے ہیں۔

افسوس ہے کہ ۱۷ رفروری ۲۰۰۳ء کو پروفیسر ظہیر احمد صدیقی نے داعی اجل کو لبیک کہا، ان کی پیدائش ۱۹۲۹ء میں بدایوں میں ہوئی تھی اور وہ مولانا ضیاء احمد بدایونی سابق صدر شعبہ فارسی کے صاحب زادے تھے، علی گڑھ میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد یہیں استاذ ہوئے مگر جلد ہی دہلی کالج اور پھر دہلی یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے وابستہ ہوئے اور پروفیسر ڈین اور کے عہدے پر فائز ہوئے، حکیم مومن خاں مومن سے ان کی دلچسپی موروثی تھی، ان کی شخصیت اور فن پر ایک کتاب لکھی تھی، خواجہ میر درد، مولانا حالی اور فانی بدایونی پر بھی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں، فکری زاویے اور احساس و ادراک ان کے مجموعہ مضامین ہیں، انجمن ترقی اردو ہند سے ان کا گہرا تعلق تھا، وہ اس کے نائب صدر تھے، اردو کے اچھے استاذ، ادیب، نقاد اور مصنف ہونے کے علاوہ بڑے خلیق اور شریف انسان تھے، ہر شخص سے خلوص و محبت سے پیش آتے تھے، وظیفہ یاب ہونے کے بعد علی گڑھ میں سکونت اختیار کرلی تھی، یہیں کی خاک کا پیوند بھی ہوئے، اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے، آمین۔

مقالات

مذہب حروفی کا سرسری جائزہ

ڈاکٹر محمد معتصم عباسی آزاد☆

''فرقۂ نقطوی اور دین حروفی پر اس کے اثرات'' پر مضمون لکھنے کے دوران مجھے احساس ہوا کہ اس فرقہ کے بانی محمود پسیخوانی کے استاد اور ''دین حروفی'' کے بانی فضل اللہ استرابادی (م ۷۹۶ھ / ۱۳۹۲ء) کے بارے میں ہماری معلومات مایوس کن ہیں، لہٰذا مذکورہ مضمون کی اشاعت کے بعد (۱) خیال پیدا ہوا کہ فضل اللہ اور اس کے مذہب کے بارے میں بھی کچھ لکھا جانا چاہیے، اس مقصد کے لیے جب ماخذ و منابع کی جستجو ہوئی تو معلوم ہوا کہ ہندوستان میں لکھی جانے والی تاریخیں اور تذکرے اس کے ذکر سے خالی ہیں، اگر کہیں ذکر آیا بھی ہے تو محمود پسیخوانی کے متعلق چند کلمات سے زیادہ تحریر نہیں، لہٰذا معروف ماہر ایرانیات ایڈورڈ۔ جی۔ براؤن کی انگریزی کتاب ''تاریخ ادبیات ایران'' سے رجوع کرنا پڑا، اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ مستشرقین میں براؤن کے علاوہ پروفیسر گب، ایم۔ کلیمنٹ ہوارٹ، جان کنگسلے برگ، ترکی دانش مندوں میں اسحاق آفندی، ڈاکٹر توفیق رضا اور ایرانیوں میں ڈاکٹر صادق کیا نے اس مذہب کی مبادیات اور اس کے بانی کے بارے میں نہایت دقیق تحقیق و جستجو کی ہے اور اپنے تحقیقی نتائج کو مقالوں اور کتابوں کی شکل میں شائع کیا ہے جن سے ہم نہ صرف لاعلم ہیں بلکہ یہ مقالے اور کتابیں ہماری دسترس سے باہر ہیں، لہٰذا فضل اللہ اور اس کے مذہب کے بارے میں براؤن کی ''تاریخ ادبیات ایران'' (۲)

☆ سابق استاذ شعبۂ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔

(۱) ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) ماہ جون و جولائی ۲۰۰۲ء۔ (۲) A Literary History of Persia, E.G. Browne, Vol. III

(انگریزی) اور "لغت نامہ دہخدا" (۱) سے جو کچھ مواد فراہم کیا جا سکا ہے اسے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ اسلامیات کا کوئی ہندوستانی طالب علم اس مذہب اور اس کی تعلیمات کے تفصیلی جائزے کی طرف توجہ دے سکے اور ممکن ہو تو اپنی تحقیق کا موضوع بنائے کیوں کہ اسلام کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں میں سب سے خطرناک یہی تحریک تھی جس نے انیسویں صدی تک مسلمانوں کے عقاید کو متاثر کیا اور انھیں ضلالت و گمراہی میں مبتلا کیا ہے۔

مذہب حروفی کا بانی فضل اللہ استرآبادی تھا، اس کے باپ کا نام ابو محمد عبدالرحمن جلال الدین تبریزی تھا، وہ ۷۴۰ھ/۱۳۳۹ء میں پیدا ہوا، اس کی جائے پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے، سخاوی اسے ایک جگہ استرآبادی اور دوسری جگہ تبریزی لکھتے ہیں، ابن حجر عسقلانی اسے تبریزی بتاتے ہیں جب کہ رضا قلی خاں نے مشہدی لکھا ہے، مقریزی، حاجی خلیفہ اور اسحق آفندی اسے استرآبادی مانتے ہیں، خود فضل اللہ نے اپنے کو استرآبادی لکھا ہے (۲) اور یہی صحیح ہے۔

فضل اللہ کی ابتدائی زندگی اور تعلیم و تربیت کے بارے میں تاریخیں اور تذکرے خاموش ہیں لیکن وہ اپنے زمانے کے عالموں اور فاضلوں میں شمار ہوتا تھا اور ترک و تجرید کی زندگی بسر کرتا تھا، شاعر تھا اور نعیمی تخلص تھا، اس نے منظوم اور منثور دونوں طرح کے آثار اپنی یادگار چھوڑے ہیں، فارسی و عربی زبانوں کے علاوہ ترکی پر بھی غیر معمولی قدرت تھی، توریت و انجیل کا بھی مطالعہ کر چکا تھا (۳) علم سیمیا، ہندسہ، نجوم اور حکمت پر بھی کامل دسترس تھی، اس کی تصانیف سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صوفیوں اور اسماعیلیوں کے افکار و نظریات پر بھی حاوی تھا (۴) استرآباد میں جب اس نے درس دینا شروع کیا تو اس کے درس کی دور دور تک شہرت ہوئی، اس کے تلامذہ میں اس کے عہد کی مشہور شخصیتیں شامل تھیں جن میں "نقطوی تحریک" کا بانی محمود پسیخوانی اور ترکی شاعر عماد الدین نسیمی بھی تھے، تقی اوحدی اس کے بارے میں لکھتے ہیں (۵):۔

نعیم جنت جاودانی، و نفحۂ فردوس زندگانی سید فضل اللہ استرآبادی صاحب کلمات ظاہری و باطنی

سید فضل اللہ نعیمی، نعیم جنت جاودانی، و نفحۂ فردوس زندگانی، صاحب کلمات ظاہری و باطنی

(۱) لغت نامہ دہخدا، ج ۱۹ (حروف "غ")۔ (۲) ایضاً ص ۴۵۹، کالم ۳۔ (۳) ایضاً ص ۴۵۸، کالم ۱۔
(۴) ایضاً ص ۴۷۸، کالم ۱۔ (۵) ایضاً ص ۱۸۹ بحوالہ عرفات العاشقین تقی اوحدی۔

حقیقی و مجازی بودہ، در جمیع علوم و رسوم سیمیا و علوم غریبہ و تصوف و حکمت مرتبۂ عالی دارد، تصانیف مشکلہ کاملہ شاملہ از و در میانست، ہمہ مزمور چوں "جاودان کبیر و صغیر" و ساقی نامہ وغیرہ و بسیاری از مقبول و مردود در حلقۂ ارادت او در آمدہ و غاشیۂ متابعت او بر دوش ہوش کشیدہ اند، بغایت صاحب ترک و تجرید و تفرید و توحید است، صاحب سلسلۂ حرف غرق بس محیطی آمدہ، سید نسیمی و مطرود پسیخوانی از حلقۂ مریدان او بودہ اند۔

اور حقیقی و مجازی ہیں، جمیع علوم و رسوم سیمیا، علوم غریبہ اور تصوف و حکمت میں عالی مرتبت ہیں، اس کی مشکلہ کاملہ شاملہ تصانیف ہمارے درمیان ہیں، سب مزمور جیسے "جاودان کبیر و صغیر" اور ساقی نامہ وغیرہ، مقبول و مردود لوگوں میں سے بہت سے لوگ اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہیں اور اس کی متابعت کا غاشیہ اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں، بہت زیادہ صاحب ترک و تجرید اور تفرید و توحید ہے، حروفیہ سلسلہ کا بانی تھا اور ہمہ وقت اس کی نشر و اشاعت میں مصروف رہتا تھا، سید نسیمی اور مطرود پسیخوانی اس کے مریدوں میں تھے۔

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں (۱):۔

"چہ جفر جامع و خافیہ و خابیہ و ابیض و اسود و احمر بغایت متبحر بود"۔

کیا جفر جامع اور کیا خافیہ و خابیہ اور کیا ابیض، اسود اور احمر سب میں نہایت متبحر تھا۔

شمس الدین سخاوی نے اپنی کتاب "الضوء اللامع لاہل القرن التاسع" میں اس کے بارے میں لکھا ہے (۲):۔

"فضل اللہ استرآبادی عجمی و نام او عبدالرحمن است ولی فضل اللہ حلال خور شہرت داشت باین معنی کہ حلال میخورد، و او باندازۂ پارسا و پرہیزگار بود کہ در بارۂ او آوردہ اند کہ در ہمہ زندگی خویش از خوراک کسی نچشید و از کسی چیزی نپذیرفت و

فضل اللہ استرآبادی عجمی کہ اس کا نام عبدالرحمن تھا، لیکن فضل اللہ حلال خور کے نام سے مشہور ہے، اس معنی میں کہ حلال روزی کھاتا تھا، وہ اس حد تک پارسا اور پرہیزگار تھا کہ اس کے بارے میں لوگوں کا کہنا ہے کہ اس نے ساری زندگی نہ

(۱) لغت نامہ دہخدا، ج ۱۹، ص ۴۸۹، کالم ۲، بحوالہ تقی اوحدی۔ (۲) ایضاً، کالم ۱، بحوالہ سخاوی۔

"طاقیہ ہای عجمی میدوخت واز بہای آں روزی میخورد وبا ایں وصف از دانشہا وقدرت نظم ونثر بخوبی برخوردار بود، سخنان نقل شد وبسبب آں مجلسہا در گیلان وغیرآں در دستگاہ علما وفقہا برای وی پہ شد"۔

تو کسی دوسرے کی دی ہوئی غذا چکھی اور نہ کسی کی دی ہوئی کوئی چیز قبول کی، عجمی ٹوپی سیتا اور اس کی قیمت سے روزی حاصل کرتا تھا، اس وصف کے ساتھ ہی علم ودانش اور نظم ونثر سے پوری طرح بہرہ ور تھا، اس کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں، گیلان اور دوسری جگہوں کی مجلسیں اس کی وجہ سے علما وفقہا سے بھری رہتی تھیں۔

جب وہ شہرت ومقبولیت کی بلندی پر پہنچا اور عقیدت مندوں کی کثرت ہوئی تو ۷۸۸ھ/ ۱۳۸۶ء میں اس نے ایک نئے فرقہ اور ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی جو "مذہب حروفیہ" سے موسوم ہے، اس نے اپنے عقاید وافکار کی تبلیغ واشاعت کے لیے تیس سال کا طویل عرصہ سیاحت میں گذارا، باکو، استرآباد، بغداد، بروجرد، دامغان، مصر، فیروزکوہ، عراق، اصفہان، خوارزم، جزیرہ (میسوپوٹامیہ) قزوین، سمرقند، تبریز، رودبار، گردکوہ کا سفر کرڈالا اور وہاں کے لوگوں کو اپنے دین کی دعوت دی (۱)۔

اس عہد کی بڑی بڑی شخصیتیں یا تو اس کے اتباع میں شامل تھیں یا ان سے اس کے تعلقات تھے، ان میں تیمورلنگ، سلطان اویس جلائری، طقمطش خاں، پیر پاشا، سید عمادالدین نسیمی، سید شمس الدین، سید تاج الدین، خواجہ فخرالدین، خواجہ حسن، شیخ منصور، ملک عزالدین، امیر شمس، خواجہ بایزید، مولانا کمال الدین، مولانا محمود، مولانا مجدالدین، مولانا قوام الدین، مولانا صدرالدین، شیخ حسن، درویش توکل، درویش مسافر، درویش کمال الدین، عبدالرحیم، عبدالقادر، حسن کیا، عمر سلطانیہ، یوسف دامغانی اور دوسرے لوگوں کے نام اس کی تصانیف میں ملتے ہیں (۲)، جس سے

(۱) لغت نامہ دہخدا، ج ۱۹، ص ۲۸۵، اگرچہ ان شہروں کی سیاحت کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا لیکن قرائن اس قیاس کی تائید کرتے ہیں کہ ان کی اس نے سیاحت کی ہوگی، ان شہروں کا ذکر اس کی تصانیف میں آیا ہے۔ (۲) ایضاً ص ۲۸۶، یہ اس زمانے کے مشاہیر میں تھے، "تاریخ تیموریہ" میں اکثر کے نام ملتے ہیں، طقمطش خاں دشت قپچاق کا والی تھا، براؤن، تاریخ ادبیات ایران، ج ۳، ص ۳۶۸۔

قطعی طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ فضل اللہ کہ زندگی میں اس کے مذہب کو شہرت ومقبولیت حاصل ہوچکی تھی، اگرچہ جمہور علما وفقہا کے نزدیک وہ کفر وزندقہ تھا، وہ اس کے شدید مخالف تھے، اس نے ایک کتاب بھی تصنیف کی تھی جو "جاودان کبیر" کے نام سے مشہور ہے، اس میں دیگر بدعات و کفریات کے علاوہ شہوات وملذات جسمانی کی بھی تعلیم شامل ہے، محرمات تک مباح تھیں (۱)۔

فضل اللہ نے جب اپنے مذہب کی دعوت تیمورلنگ کو دی تو وہ یا تو اس کے عقاید کی وجہ سے جو اسلام کے مسلمہ اصولوں کے خلاف تھے یا اس کی غیر معمولی مقبولیت کو اپنے لیے سیاسی خطرہ سمجھ کر اسے قتل کرادینا چاہتا تھا، اس کا علم جب اس کے بیٹے میرانشاہ کو ہوا جس کے پاس فضل اللہ پناہ لیے ہوئے تھا تو اس نے اپنے ہاتھ سے اس کا سر قلم کردیا، اس کی خبر جب تیمورلنگ کو ہوئی تو اس نے سر اور دھڑ منگوا کر نذر آتش کرادیا، ابن حجر عسقلانی کا بیان ہے (۲):-

"فضل اللہ پسر ابومحمد تبریزی یکی از مبتدعین است کہ طریقت ریاضت نفسانی گرفت ودر اثر تعالیم ضلال وی فرقہ ایجاد شد کہ بحروفیہ مشہور است او معتقد است کہ حروف الفبا محسوسات انسانی می باشند ازینگونہ خرافات واوہام بسیار بہم یافتہ، وی امیر تیمور را بدین وعقیدت خود نمود، لیکن امیر نپذیرفتہ وامر قتل او داد، پسرش میرانشاہ کہ فضل اللہ نزد وی پناہ بردہ بود ازیں امر آگاہ شد وبدست خود سراو را قطع کرد چوں تیمور ازیں خبر آگاہ شد سر وجسد او را طلب کرد وامر فرمود کہ بسوزانند این واقعہ در ۸۰۴

(فضل اللہ بن ابومحمد تبریزی بدعتیوں میں سے ایک ہے جس نے ریاضت نفسانی کا راستہ اختیار کیا، اس کی تعلیم ضلال سے ایک فرقہ وجود میں آیا جو حروفیہ کے نام سے مشہور ہے، اس کا اعتقاد ہے کہ حروف الفبا انسانی محسوسات ہوتے ہیں، اس طرح کے خرافات واوہام بہت زیادہ جمع کرلیے تھے، اس نے امیر تیمور کو اپنے دین اور عقیدہ کی دعوت دی، امیر نے قبول نہیں کیا اور اس کے قتل کا حکم دے دیا، اس کا بیٹا میرانشاہ جس کے پاس فضل اللہ پناہ لیے ہوئے تھا، اس کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے اپنے ہاتھ سے اس کا سرتن سے جدا کردیا، تیمور کو جب اس کی

(۱) لغت نامہ دہخدا، ج ۱۹، ص ۲۸۳، بحوالہ اسحاق آفندی وسخاوی (۲) ایضاً ص ۲۸۴، بحوالہ ابن حجر عسقلانی ۸۴۲ھ، براؤن، تاریخ ادبیات ایران، ج ۳، ص ۳۶۷۔

اتفاق افتاد"۔ خبر ہوئی تو اس نے سر اور تن منگوا کر اسے جلانے کا حکم دیا) یہ ۸۰۴ھ کا واقعہ ہے۔

تھوڑے فرق کے ساتھ اس واقعہ کا ذکر محمد علی تربیت آذربائیجانی کے یہاں بھی ملتا ہے (۱)۔

"در پنجشنبہ ۶ رذی قعدہ ۷۹۶ میرانشاہ پسر تیمور بحکم پدر فضل اللہ را از شیروان احضار کردہ بفتوای علما کشت و بر پاہایش ریسمان بست و در کوچہ و بازار گردانید و قبر او الگای (الخس) بخوانست ابوالحسن علی الاعلی تاریخ مرگ او چنین سرودہ است ــ

ست وتسعین ماہ ذی قعد بدان

روم شد مغلوب اما این زمان"

۶ ر ذی قعدہ ۷۹۶ بروز پنجشنبہ تیمور کے بیٹے میرانشاہ نے باپ کے حکم سے فضل اللہ کو شیروان سے بلا کر علما کے فتووں کے تحت قتل کر دیا، اس کے پیروں کو رسی سے بندھوا کر کوچہ و بازار میں گشت کرایا، اس کی قبر الگای (الخس) بخواں میں ہے، ابوالحسن علی الاعلی نے اس کی تاریخ وفات کہی ہے۔

قتل ہونے سے قبل فضل اللہ نے چار اشخاص کو جو اس کے محرم راز تھے اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا، محمد علی تربیت نے اس کے مرید عز الدین عبدالمجید فرشتہ زادہ کے دو شعر نقل کیے ہیں (۲)۔

محرم خلوت سرای ہمہ می مجد و محمود و کمال ہاشمی

بوالحسن وان چار او را بازیاب چوں وصیت کرد اینک کتاب

ان چاروں میں ابوالحسن اصفہانی جو علی الاعلی کے لقب سے مشہور تھا، فضل اللہ کا خاص مقرب تھا، وہ بیس سال کی عمر میں فضل اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، جس وقت فضل اللہ قتل کیا گیا تھا اس کی عمر بیالیس سال تھی، اسی نے ۸۰۲ھ میں فضل اللہ کی کتاب "جاویدان" کو منظوم کیا تھا (۳)۔

چوں کہ ایران میں فضل اللہ کے مشرکانہ عقاید کا علم علما و فقہا کو ہو چکا تھا لہذا ان کی طرف سے اس فرقہ کے افراد کی گیر و دار کا سلسلہ شروع ہوا، بڑی تعداد میں حروفیوں کو ایذا رسانی کے بعد قتل اور نذر آتش کیا گیا۔

---

(۱) لغت نامہ دہخدا، ج ۱۹، ص ۴۷۹، کالم ۲۔ (۲) ایضاً ص ۴۸۱، کالم ۱، حسب روایت عبدالمجید فرشتہ زادہ (۳) ایضاً

فضل اللہ کے قتل کے بعد جہاں دار شاہ کے دور میں اس کی بیٹی اور یوسف نام کے ایک اور شخص نے تبریز میں حروفیوں کا علم بلند کیا جس کے پاداش میں اس جماعت میں شامل تقریباً پانچ سو افراد قتل اور نذر آتش کیے گئے (۱)۔

جب کہ تیمور لنگ کے وارث شاہ رخ (م ۸۵۰ھ/۱۴۴۷ء) کو ان کے عقیدوں کا علم ہوا تو اس نے حروفیوں کو اپنے شہروں سے باہر کر دینے کا حکم دے دیا، اس کے اس حکم پر یہ فرقہ برافروختہ ہو گیا، چنانچہ ایک جمعہ کو جب شاہ رخ ہرات کی جامع مسجد سے نماز ادا کر کے باہر آ رہا تھا تو دو اشخاص نے اس پر حملہ کر دیا اور فضل اللہ کے ایک مرید احمد لر نے اس کے پیٹ پر چھرا مار دیا جو مہلک ثابت نہیں ہوا، مجرم کو شاہ رخ کے خادم علی سلطان قوچین نے جائے وقوعہ پر ہی ہلاک کر دیا، میرزا بایسنقر اور دیگر امرا کو سازش کی تفتیش پر مامور کیا گیا، جس شخص سے اس سازش کا سراغ مل سکتا تھا وہ ہلاک کیا جا چکا تھا جس کا انہیں افسوس ہوا، مجرم کی جامہ تلاشی پر ایک چابی برآمد ہوئی، ہرات کے شہر میں جس مکان کا تالا اس چابی سے کھلا اس کے آس پاس کے لوگوں سے تفتیش پر معلوم ہوا کہ اس مکان میں احمد لر نام کا ایک شخص رہتا تھا، اس کے پاس ایک شخص مولانا معروف کی آمد و رفت تھی، یہ شخص عابد اور پرہیز گار ہونے کے علاوہ مشہور خطاط تھا، پہلے بغداد میں احمد جلائر کے پاس تھا، بعد میں اسکندر شیرازی کے پاس شیراز چلا گیا، شاہ رخ نے اسے وہاں سے ہرات بھیج دیا تھا جہاں وہ شاہی کتب خانے میں کتابت پر مامور تھا، یہاں جن علما اور درویشوں سے اس کی ملاقات تھی ان میں احمد لر بھی تھا، بایسنقر کو اگر چہ مولانا معروف سے ذاتی مخاصمت تھی مگر کئی بار تختہ دار کے نیچے لائے جانے کے باوجود بچ گیا اور اختیار الدین کے قلعہ کے کنویں میں محبوس کر دیا گیا، اس کے بعد حروفیوں کی اذیت رسانیوں، قتل اور جلائے جانے کا عمل شروع ہوا، اس میں فضل اللہ کا نواسہ خواجہ عضد الدین حروفی بھی تھا، شاہ قاسم الانوار بھی شبہہ کی زد میں آئے، لیکن بایسنقر کے حکم سے انھیں ہرات سے باہر کر دیا گیا، سخاوی کا بیان ہے (۱)۔

"او (فضل) پیروان فراواں در نقاط جہاں داشت کہ از بسیاری بشمار نمی آید و داشتن "نمد سفید"

نقاط جہاں میں اس کے پیروؤں کی تعداد حد شمار سے باہر ہے، ان کے سر پر "سفید نمد" اور

---

(۱) لغت نامہ دہخدا، ج ۱۹، ص ۴۸۹، کالم ۱۔

برسر و درتن خویش مشخص اند و تعطیل و مباح بودن محرمات و ترک واجبات آشکارا می دارند، و بداں عقاید گروہی از چغتائی و عجمیان دیگر را فاسد کردند، و چوں فساد ایشاں در ہرات و غیر آں فزوں گرفت خاقان معین الدین شاہ رخ پسر تیمور لنگ فرمان داد کہ ایشان را از شہر ہای وی بیروں کنند و مردم را برانگیخت، پس دو مرد از ایشاں ہنگام نماز آدینہ کہ در مسجد جامع بود بوی حملہ کردند و اورا زدند و بسختی زخمی نمودند کہ ناچار دیر زمانی بستری شد و ہم پی آمد و آں دو مرد در ہماں زماں بہ سخت ترین شکلی کشتہ شدند''۔

جسم پر سفید لباس ان کی پہچان ہے، محرمات کا مباح ہونا اور ترک واجبات ان کے یہاں کھلے عام ہے، ان عقاید سے اس نے چغتائیوں اور عجمیوں کے ایک گروہ کو بدعقیدہ بنا دیا، جب ان کا فتنہ ہرات اور دوسری جگہوں پر بڑھ گیا تو تیمور لنگ کے بیٹے شاہ رخ نے حکم دیا کہ انھیں اس کے شہروں سے باہر کر دیا جائے جس سے اس فرقہ کے لوگ برہم ہو گئے، ان میں سے دو شخص نے جمعہ کی نماز کے دوران جو جامع مسجد میں تھی شاہ رخ پر حملہ کر دیا اور بری طرح زخمی کر دیا کہ ایک عرصہ تک بستر پر پڑا رہا، وہ دو شخص اور ان کے ساتھ دوسرے بدترین طریقے سے قتل کر دیے گئے۔

فصیحی خوافی، میر خواند، قاضی زادہ تتوی اور کمال الدین عبدالرزاق نے بھی اپنی اپنی تصانیف میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ ''لغت نامۂ دہخدا'' سے نقل کیا جاتا ہے (۱)۔

''در روز آدینہ بست و سوم ربیع الآخر سال ۸۳۰ پس از آنکہ شاہ رخ نماز آدینہ در مسجد جامع ہرات گزارد کنک پوش بنام احمد لُر از پیروان مولانا فضل اللہ استرآبادی نامہ در دست بر سر راہ آمد، چوں نامہ از و گرفتند پیش دوید و کاردی بر شکم شاہ رخ زد، زخم کاردوی کارگر نیفتاد و علی سلطان قوچین از شاہ رخصت گرفت و در ہماں جا اورا کشت، شاہ رخ پس از چندی درماں بہبود یافت

۲۳ ربیع الآخر ۸۳۰ھ میں جمعہ کے دن جب شاہ رخ جمعہ کی نماز ہرات کی جامع مسجد میں ادا کر چکا تو احمد لُر نام کا ایک گدڑی پوش جو فضل اللہ استرآبادی کا مرید تھا ہاتھ میں خط لیے راستہ میں آیا، جب لوگوں نے خط اس کے ہاتھ سے لے لیا تو اس نے آگے بڑھ کر شاہ رخ کے پیٹ پر چاقو مار دیا، چاقو کا زخم کارگر نہ ہوا، بادشاہ کے ملازم نے موقع پا کر مجرم کو اسی جگہ ہلاک کر دیا، شاہ رخ کچھ عرصہ بعد علاج سے

(۱) لغت نامہ دہخدا، ج ۱۹، ص ۴۸۱، کالم ۳، براؤن، تاریخ ادبیات ایران، ج ۳، ص ۶۶۔ ۳۶۵۔

بایسنقر و بزرگان کشور از کشتن لُر پشیماں شدند، چوں بباز جستن حال او پرداختن در میان رخت ہای وی کلیدی یافتند کہ بداں در خانہ ہای از شہر ہرات گشودہ شد، چوں مردم از پیرامون آں از حال مردم آں خانہ پرسیدند نشان ہای احمد لُر دادند و گفتند کہ وی دریں خانہ طاقیہ میدوخت و بسیاری از بزرگان بخانہ اوی آمدند، و یکی از ایشاں مولانا معروف خطاط بود، ایں مولانا مردی بود بسیار بزرگ منش و آراستہ بہ ہنر ہای گوناگوں نخست پیش سلطان احمد جلائر در بغداد می زیست و از و رنجیدہ بہ شیراز نزد میرزا اسکندر رفتہ بود، شاہ رخ پس از گشودن شیراز اورا بہ ہرات فرستادہ در کتاب خانہ شاہی بہ کتابت گماشتہ بود، زمانی بایسنقر نامہ ای بدو نوشتہ واز وی خواہش کردہ بود، ''خمسہ نظامی'' را برای وی بنویسد، او ایں نامہ را پس از یک سال بنوشتہ باز فرستادہ بود، از یں کردار وی بایسنقر سخت دل تنگ بود، چوں دوستی او با احمد لر آشکارا شد فرمان بکشتن وی داد، او را سہ بار بپای دار بردند و سرانجام در چاہ قلعہ اختیار الدین زندانی کرد، نیز ہمی باز جوی بایسنقر رسانیدند کہ احمد لُر بخدمت شاہ قاسم الانوار می رفتہ، بایسنقر فرمان داد کہ قاسم الانوار (۱) از خراسان

صحت یاب ہو گیا، بایسنقر اور حکومت کے دوسرے ارکان کو سراغ رسی پر مامور کیا گیا، انھیں مجرم کی ہلاکت پر افسوس ہوا، اس کی جامہ تلاشی میں ایک چابی برآمد ہوئی جس سے شہر ہرات کے ایک گھر کا تالا کھل گیا، پڑوسیوں سے جب اس گھر کے مکین کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے احمد لُر کا نام لیا اور بتایا کہ وہ اس گھر میں ٹوپی سیتا تھا، بہت سے بزرگوں کی اس گھر میں آمد و رفت تھی، ان میں ایک مولانا معروف بھی تھے جو خطاط تھے، بزرگ منش اور گوناگوں ہنر سے آراستہ تھے، پہلے بغداد میں سلطان جلائر کے پاس تھے، اس سے رنجیدہ ہو کر میرزا اسکندر کے پاس شیراز چلے گئے، شاہ رخ شیراز پر قابض ہوا تو مولانا معروف کو وہاں سے ہرات بھیج دیا جہاں شاہی کتب خانے میں کتابت پر مامور تھے، عرصہ ہوا بایسنقر نے ایک خط کے ذریعہ اس سے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اس کے لیے ''خمسہ نظامی'' نقل کر دے، ایک سال بعد حکم کی تعمیل کے بغیر اس نے وہ خط واپس کر دیا تھا، اس وجہ سے بایسنقر اس سے سخت ناراض تھا، جب احمد لر سے اس کی دوستی ظاہر ہوئی تو اس نے انھیں قتل کر دینے کا حکم دیا، تین بار پھانسی کے تختے کے نیچے لائے گئے، آخر کار اختیار الدین

(۱) قاسم الانوار کا شمار اس زمانے کے صوفیوں اور شاعروں میں ہوتا تھا، وہ ہرات سے سمرقند چلے گئے جہاں الغ بیگ نے ان کی عزت اور قدر دانی کی۔

بیروں برود ...... ہمیں دریں باز جوی خواجہ عضد الدین نوہ دختر فضل اللہ استر آبادی و دیگر ہم راہان احمد لر کشتہ و سوزانیدہ شدند''۔

کے قلعہ کے کنویں میں قید کردیے گئے، جاسوسوں نے بایسنغر کو یہ بھی بتایا کہ احمد لر شاہ قاسم انوار کی خدمت میں جایا کرتا تھا، بایسنغر نے حکم دیا کہ قاسم انوار خراسان سے باہر نکل جائیں، اسی تفتیش کے دوران فضل اللہ کی بیٹی کا پوتا خواجہ عضد الدین اور احمد لر کے دوسرے ساتھی بھی قتل کرکے جلا دیے گئے۔

شاہ رخ کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا، اس کے بعد حروفیوں پر جو گذری اس کا اندازہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے، شاہ رخ کا بھائی میرانشاہ جس کو حروفی ''مار انشاہ'' (سانپوں کا بادشاہ)، اشعار میں ''مارشاہ'' اور دجال کے لقب سے پکارتے ان پر قہر بن کر ٹوٹا، ایذا رسانیوں، قتل اور آتش سوزی کا ایک مستقل سلسلہ قائم ہوگیا، ایران کی سرزمین پر حروفیوں کا عرصۂ حیات تنگ ہوگیا(۱)۔

اس روز روز کے کشت وخون سے بچنے کے لیے فضل اللہ کے خلفا نے باہم مل کر یہ طے کیا کہ وہ ایران کو چھوڑ کر اطراف کے مسلم ممالک میں پھیل جائیں اور اپنے آپ کو خفیہ طور پر اہل اسلام میں ضلالت وگمراہی پھیلانے کے لیے وقف کردیں (۲)

اس فیصلے کے بعد ایران سے ترک سکونت والوں میں فضل اللہ کا خلیفہ اور جانشین ابوالحسن اصفہانی ملقب بہ علی الاعلیٰ اور ترکی شاعر نسیمی بھی تھے، ان دونوں نے ایران سے فرار ہوکر ترکی میں اناطولیہ کے مقام پر حاجی بکتاش کی خانقاہ میں پناہ لی اور بکتاشی درویشوں کے درمیان گوشہ نشیں ہوگئے (۳)۔

بکتاشی فرقہ کے بانی سید محمد نیشاپوری (م ۷۳۸ھ) تھے جو حاجی بکتاش کے لقب سے مشہور

(۱) لغت نامۂ دہخدا، ج ۱۹، ص ۲۸۰، کالم ۱، وحاشیہ۔ (۲) ایضاً ص ۲۸۳، نیز تاریخ ادبیات ایران، ج ۳، ص ۳۷۱، براؤن تاریخ ادبیات ایران، ج ۳، ص ۳۷۱، ...... پس ازاں خلفای وی برآں شدند کہ در سراسر ممالک مسلمانان متفرق گشتہ وخود را وقف ضلالت وغوایت اہل اسلام نمایند''۔ (۳) ایضاً کالم ۱، بحوالہ آفندی، بحوالہ رضا توفیق ص ۲۸۱، کالم ۲، براؤن ص ۳۷۱۔

تھے، ان کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے صوفیوں اور ولیوں میں ہوتا تھا، ذبیح اللہ صفا کا بیان ہے کہ جب ایران میں شیعیت کو فروغ حاصل ہوا تو اس سے بعض صوفیہ بھی متاثر ہوئے، اس فرقے کے بزرگوں میں سے چند عقاید عرفانی کے ساتھ اپنے مذہبی عقاید کی بھی نشر واشاعت کیا کرتے تھے اور عام شیعہ فرقے سے مختلف تھے، انہیں میں حاجی بکتاش کا فرقہ بھی تھا، ذیل میں ان کا بیان نقل کیا جاتا ہے(۱)۔

...... ایں پیش رفت افزوں تشیع چنانکہ خواہیم دید در وضع صوفیہ ہم موثر بود، برخی از بزرگان ایں فرقہ نشر عقاید مذہبی خود ہمراہ عقاید عرفانی ارزانی می کرد، نمونۂ ارز ایں دستہ فرقۂ بکتاشیہ است کہ از پیش روان بزرگ تصوف قرن ہشتم ومحل نشر عقایدش آسیای صغیر ودوران رواج وانتشار قطعی عقایدش و فزونی پیروانش درطعن ولعن مخالفان شیعہ امامی عشریہ تندرو ومتظاہر ودر ادامہ مراسم تعزیت عاشورہ رامصر بودند، شعارشاں جامہ سفید بود، از جامہ کبود کہ شعار امویاں است نفرت داشتند، ایں فرقہ در قرن نہم بتفصیلی مشہور است، بسیاری از مقالات حروفیہ راکہ خود انشعاب گونہ ای از تشیع بودہ است پذیرفتہ وناشر آں مقالات در آسیای صغیر شدہ، بقا وادامہ عقاید فرقہ مذکورہ در بلاد روم گردیدند۔

تشیع کی یہ روز افزوں پیش رفت جیسا کہ ہم دیکھیں گے صوفیہ کے طور طریقوں پر بھی اثر انداز ہوا، اس فرقہ کے بزرگوں میں سے چند عرفانی عقاید کے ساتھ اپنے مذہبی عقاید کی بھی اشاعت کیا کرتے تھے جس کی مثال بکتاشیہ فرقہ ہے، یعنی پیروان سید محمد رضوی نیشاپوری (م ۷۳۸) معروف بہ حاجی بکتاش جو چھٹی صدی کے تصوف کے بزرگ پیش رووں میں تھے، ان کے عقاید کی اشاعت کا مقام ایشیائے کوچک تھا، ان کے عقاید کے قطعی رواج وانتشار اور ان کے پیرووں کی افزائش کا زمانہ اسی سرزمین پر نویں صدی اور بعد کی صدی ہے لیکن شیعیان امامی عشریہ کے مخالفوں پر لعن طعن میں شدت پسند اور متظاہر تھے اور تعزیت عاشورہ کی رسم کی ادائیگی پر مصر تھے، ان کا لباس جامۂ سفید تھا، جامۂ کبود جو امویوں کا لباس تھا اس سے متنفر تھے، یہ فرقہ نویں صدی ہجری میں بہت زیادہ مشہور تھا، ''حروفیہ'' جو خود تشیع کی ایک شاخ ہیں بکتاشیوں نے ان کے

(۱) تاریخ ادبیات ایران، ذبیح اللہ صفا، ج ۴، ص ۵۸۔

مقالات کو قبول کرلیا اور ایشیائے کوچک میں ان
کے مقالات کی نشر و اشاعت کی ، بلاد روم میں
مذکور فرقہ کی بقاو استحکام کا وسیلہ بنے۔

ذبیح اللہ صفا کے بیان سے واضح ہے کہ بکتاشی اور حروفی دونوں ہی تشیع کی علاحدہ شاخ ہیں ، علی الاعلی کے حاجی بکتاش کی خانقاہ میں پہنچنے سے قبل بکتاشی عقیدتاً شیعہ تھے ، ان کے عقاید تصوف اور شیعیت کا آمیزہ تھے جن میں تصوف کا غیر صحت مند عنصر غالب ہونے کے باعث دیگر شیعہ فرقوں سے علاحدہ سمجھا جاتا تھا ، خود بکتاشی درویشوں کی وہ جماعت جو خانقاہ میں رہتی تھی اپنے آپ کو جعفری مذہب یعنی امامی شیعہ سمجھتی اور بتاتی تھی ، لیکن اسحاق آفندی جنہوں نے بکتاشیوں پر تحقیق کی تھی اور جن کی معلومات کی وسعت اور اصابت رائے کا براؤن نے بھی اعتراف کیا ہے ، ان کا بیان ہے کہ بکتاشیوں کی وہ جماعت جاہل اور بے وقوف تھی ، اپنے مذہب کی مبادیات کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی ، لیکن اپنے آپ کو جعفری مذہب یعنی امامی شیعہ سمجھتی تھی (۱)۔

علی الاعلی نے اس خانقاہ میں پہنچ کر ان بکتاشیوں کے درمیان یہ دعویٰ کیا کہ فضل اللہ کی کتاب ''جاودان'' کی مبادیات دراصل حاجی بکتاش کے اسرار و رموز ہیں ، بکتاشی اپنی جہالت کے باعث اس کے اس فریب میں آگئے اور جاودان کو حاجی بکتاش کی مبادیات سمجھ کر قبول کرلیا ، علی الاعلی نے انہیں اس کی تعلیم دینا شروع کردیا ، اس تعلیم کو علما و فقہا سے پوشیدہ رکھنے کے لیے کہ مبادا انہیں علم ہوجائے اور وہ اس کے گروہ کو نیست و نابود کردیں اس کا نام ''سر'' رکھا تھا ، صرف اپنے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے والوں کو اس کی تعلیم دیتا تھا ، اس نے اس کی رازداری میں اس حد تک احتیاط برتی تھی کہ اگر اس کے شاگردوں میں سے کسی سے یہ راز فاش ہوجاتا تو پھر اسے زندہ رہنے کا حق نہیں تھا ، اسحاق آفندی کا بیان ہے کہ یہ ''سرمکتوم'' بلاشبہ کفر آمیز کتاب ''جاودان'' کے بعض صفحات کی وہ عبارتیں تھیں جن میں احکام الٰہی سے علانیہ انکار اور شہوات و ملذات جسمانی کی تعمیل کی ہدایت تھی ، جن کی طرف مقطعہ حروف آ ، و ، ح ، ب اور ز سے اشارہ کیا گیا تھا ، ان علامتوں کے معنی و مفاہیم سمجھانے کے لیے حروفیوں نے ایک رسالہ ''مفتاح الحیات''

(۱) لغت نامۂ دہخدا ، ج ۱۹ ، ص ۲۸۳ ، کالم ۱ ، ۲ ، براؤن تاریخ ادبیات ایران ، ج ۳ ، ص ۳۷۱۔

تصنیف کیا تھا جو گویا ''جاودان'' کی لغت اور فرہنگ تھا ، اس کو سمجھے بغیر ''جاودان'' کے معانی و مطالب کا سمجھنا مشکل ہے (۱)۔

چوں کہ ایران سے حروفیوں کا مکمل انخلا ہوچکا تھا اور ان کے وجود کے وہاں کوئی آثار نہیں تھے ، ترکی میں ان کی سرگرمیاں پردۂ راز میں تھیں ، لہذا مستشرقین میں پروفیسر گب وغیرہ کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ ایران میں سخت ترین اذیتوں اور عقوبتوں سے گذرنے کے باعث آٹھویں صدی ہجری سے آگے ان کا وجود باقی نہیں رہا (۲)۔

اس راز سے پردہ اس وقت اٹھا جب پروفیسر گب جو ترکی زبان و ادب پر تحقیق کررہے تھے ان کے مطالعہ میں ترکی شاعروں کے بعض ایسے تذکرے آئے جن میں ترکی میں عثمانی عہد میں بھی بکتاشیوں اور حروفیوں کے جلائے جانے کے واقعات کا ذکر تھا ، چنانچہ ۱۲۲۰ھ میں محمود خاں کے زمانے میں بکتاشیوں اور حروفیوں کے قتل ، ان کی خانقاہوں کی مسماری ، ان کی املاک کی ضبطی اور نقش بندیوں میں ان کی تقسیم کا ذکر ان تذکروں میں موجود تھا ، یہ خوں ریزی اتنی شدید تھی کہ جو بکتاشی یا حروفی مشائخ اور ان کے معتقدین بچ گئے انہوں نے خود کو نقش بندی ، قادری ، رفاعی اور سعدی سلسلوں سے منسلک کرلیا تھا اور ان میں رہ کر اپنے مذہب اور عقاید کی تبلیغ پوشیدہ طور پر کرنے لگے تھے (۳)۔

۸۲۰ھ/۱۴۱۷ء میں حلب کے شہر میں فضل اللہ کے شاگرد ترکی شاعر نسیمی اور اس کے شاگرد رفیعی (مصنف بشارت نامہ) کی کھال کھنچوانے کا بھی ذکر تھا ، پروفیسر گب نے نسیمی کے اس شعر سے اس کا حروفی ہونا استنباط کیا ہے (۴)۔

علم حکمتدن بلور سنگ گل رو گل ای حکیم — سن نسیمی منطقدن دجگہ فضل اللّٰہی گور

(اے حکیم اگر تجھے علم حکمت کی طلب ہے تو آ اور نسیمی کی منطق میں تلاش کر اور فضل الٰہی کا تماشہ دیکھ)

ایک اور شاعر تمنائی کا بھی ذکر تھا جس کو اس کے کفر آمیز خیالات کے پاداش میں معہ اس

(۱) لغت نامۂ دہخدا ، ج ۱۹ ، ص ۲۸۳ ، کالم ۱ ، ۲ ، براؤن تاریخ ادبیات ایران ، ج ۳ ، ص ۳۷۱۔ (۲) تاریخ ادبیات ایران (انگریزی) ، ج ۳ ، براؤن ، ص ۷۱-۳۷۰۔ (۳) لغت نامۂ دہخدا ، ج ۱۹ ، ص ۲۸۴ ، کالم ۲ ، نیز تاریخ ادبیات ایران ، ج ۳ ، ص ۳۷۱۔ (۴) ایضاً ص ۲۸۲ ، کالم ۱ ، نیز تاریخ ادبیات ایران ، ج ۳ ، ص ۳۶۹۔

کی جماعت کے کچھ افراد کے سلطان بایزید یلدرم کے زمانے میں زندہ جلادیا گیا تھا (۱)۔

"شقائق النعمانیہ" میں میر سید شریف جرجانی کے ایک شاگرد مفتی فخرالدین عجمی کا ذکر ہے جنہوں نے بعض بکتاشیوں کو جنہیں سلطان محمد فاتح کا لطف واعتماد حاصل تھا زندہ نذر آتش کرادیا، سلطان محمد فاتح اپنی تمام قوت وشوکت کے باوجود انہیں مفتی مذکور کے عتاب سے نہ بچاسکا مفتی مذکور کی حرارت ایمانی کے جوش کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے آگ خود جلائی تھی جس میں ان کی داڑھی کا ایک حصہ جھلس گیا تھا (۲)۔

اس کے باوجود پروفیسر گب کو چودہویں صدی سے آگے حروفیوں کی موجودگی کا کوئی واضح ثبوت نہیں مل رہا تھا، انہوں نے پروفیسر براؤن کی توجہ اس طرف مبذول کرائی (۳)۔

براؤن نے مذکورہ بالا انکشافات کے بعد حروفیوں پر ازسرنو تحقیق شروع کی، انہوں نے ۱۸۹۷ء کی کرسمس کی چھٹیوں میں پیرس کے قومی کتب خانہ میں موجود حروفیوں کے دو مخطوطوں کا جن میں سے ایک ۱۴۸۹/۸۹۵ کا کتابت کردہ تھا اور داخلی شہادتوں سے خود فضل اللہ کا ہونا ثابت تھا، دوسرا ۱۵۶۴/۹۷۰ کا کتابت کردہ امیر غیاث الدین کا "استوانامہ" تھا جو سکندر کے آب حیات کی تلاش کی داستان اور "جاودان" الفاظ کی لغت اور فرہنگ پر مشتمل تھا، مطالعہ کیا اور جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۹۸ء کے شمارے میں حروفیوں اور ان کے عقاید کے بارے میں ایک مقالہ شائع کیا، اس کے بعد انہیں لندن میں مشرقی کتابوں کا کاروبار کرنے والے استنبول کے ایک کتاب فروش کے ذریعہ "جاودان" کے کئی نسخے دست یاب ہوئے جن سے ان پر حروفیوں اور بکتاشیوں کے تعلقات کا انکشاف ہوا، نو سال بعد انہوں نے ۱۹۰۷ء میں ایک اور مقالہ اسی جرنل میں حروفیوں کے عقاید اور بکتاشیوں سے ان کے تعلقات کے موضوع پر شائع کیا، اس مقالہ میں انہوں نے "جاودان" کے ان تینتالیس مخطوطات کا تعارف بھی کرایا جو اب تک انہیں حاصل ہوئے تھے (۴)

(۱) لغت نامہ دہخدا، ج ۱۹، ص ۳۸۴ کالم ۲، براؤن، تاریخ ادبیات ایران، ج ۳، ص ۳۷۰۔
(۲) ایضاً ص ۳۸۲، ایضاً ص ۷۰-۳۶۹۔ (۳) ایضاً، کالم ۲، ۳، ص ۳۶۹۔ (۴) ایضاً ص ۳۸۳ کالم ۲،

Some notes on literature and doctrines of Hurufi sect J.R.A.S. 1898.

Further notes on the literature of the Harufis and their connection with the Buktashi order of Derveshes, J.R.A.S. 1907. (Browne) P.372-73.

براؤن کا بیان ہے کہ انہیں پہلی بار بکتاشیوں اور حروفیوں کے تعلقات اور ان کی موجودگی کا علم اس وقت ہوا جب انہوں نے بغداد کے کتاب فروش سے "جاودان" کے متعدد نسخے نہایت گراں قیمت پر خریدے تھے، لیکن جب اس کتاب فروش کو یہ معلوم ہوا کہ یہ کتاب اب بھی ترکی اور ایشیائے کوچک میں پڑھی اور نقل کی جاتی ہے اور اس کے لاتعداد نسخے موجود ہیں تو اس کی قیمت اچانک بہت زیادہ گر گئی تھی (۱)۔

جس زمانے میں براؤن اپنی تحقیقات میں مصروف تھے بعض بکتاشی درویشوں کی جنہیں اب تک شیعوں کا علاحدہ فرقہ سمجھا جاتا تھا کئی کتابیں منظر عام پر آئیں، ان میں عزالدین عبدالمجید فرشتہ زادہ کی "عشق نامہ" بھی تھی جسے اس نے چھپوا کر شائع کیا تھا جو ترکی کے ایک عالم اور دانشور اسحاق آفندی کے مطالعہ میں آئی، اگرچہ فرشتہ زادہ نے اس میں اپنے عقاید کو پوشیدہ رکھنے کی پوری کوشش کی تھی، لیکن آفندی کی ژرف بینی اس کی تہہ کو پہنچ گئی، انہوں نے اس کتاب کی رد میں "کشف الاسرار ودفع الاشرار" کے نام سے کتاب لکھی اور اس میں نہ صرف فرشتہ زادہ کے کفر وزندقہ کو واضح کیا بلکہ بکتاشیوں کے بارے میں بھی اپنے تحقیقی نتائج کا اظہار کیا ہے (۲)۔

ازیں تمام ایں معانی معلوم و واضح میشود کہ جماعت بکتاشیہ شیعہ نیستند بلکہ اصولاً جماعتی مشرک می باشند کہ ہرچند موفق بہ جلب یہودیان و مسیحیان نمیشوند ولی مبادی آنہا طوری است کہ مسلمانان ترا کہ بشیعہ کامل دارند، بیشتر بخود متمایل می نمایند بطورکہ ہروقت من بعضی نوآموزان بکتاشی راخورد سوال را اقرار دادہ ام، آنہا خود را جعفری مذہب یعنی شیعہ امامی قلمداد میکنند، چیزی از اسرار جاودان نمی دانند وتصور می کنند کہ شیعی ہستند۔

ان تمام باتوں سے معلوم اور واضح ہوتا ہے کہ بکتاشیوں کی جماعت شیعہ نہیں ہے بلکہ اصولاً مشرکوں کی ایک جماعت ہے، ہرچند یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنی طرف مائل نہیں کرسکے لیکن ان کا طور طریقہ ایسا ہے جیسا شیعیت کی طرف میلان رکھنے والے مسلمانوں کا، بیشتر خود کو اسی طرف مائل ظاہر کرتے ہیں، جاودان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور تصور کرتے ہیں کہ شیعہ ہیں۔

(۱) لغت نامۂ دہخدا، ج ۱۹، ص ۳۸۳ کالم ۳، تاریخ ادبیات ایران (انگریزی)، ج ۳، ص ۳۷۳۔
(۲) ایضاً کالم ۲، ایضاً

انہوں نے اپنے دعوے کی تائید میں ایک ایرانی عالم اور سیاح میرزا صفا کا قول بھی بکتاشیوں کے بارے میں بیان کیا ہے جن سے بکتاشیوں کے بارے میں سوال کیا تھا (۱)۔

من وقتی از یک عالم و سیاح ایرانی موسوم به میرزا صفا عقیدهٔ او را راجع به بکتاشی ہا سوال کردم و او در جواب گفت من خیلی به آنہا مصاحبت کرده ام ، آنان وجوب فرائض و اعمال را که در اصول مذہب آمده است انکار می کنند و ازیں رو بطور قطع کفر آنان را معتقد بوده است۔

میں نے ایک بار ایک ایرانی عالم اور سیاح جن کا نام میرزا صفا تھا بکتاشیوں کے بارے میں سوال کیا، انہوں نے جواب دیا کہ وہ کافی دنوں ان کی مصاحبت میں رہے ، وہ ان فرائض و اعمال کے واجب ہونے سے انکار کرتے ہیں جو مذہب کے اصول ہیں ، لہذا انہیں یقین ہے کہ وہ کافر ہیں۔

بکتاشیوں کی اس گمراہی کے اسباب پر بھی آفندی نے اپنے تحقیقی نتائج کا اظہار کیا ہے جسے اوپر بیان کیا جاچکا ہے، اسے یہاں نقل کردینا مناسب ہوگا (۲)۔

ازاں جملہ یکی که به علی الاعلی ملقب بود به خانقاه حاجی بکتاش در اناطولیه آمده و انزوا نہانی و دراں جا زیست و جاودان را به افراد آں خانقاه تعلیم دادن گرفت و آنہا را فریفته چناں وانمود میکرد که ہماں مبادی حاجی بکتاش که از اولیای بوده است می باشد ، پیروان خانقاه که بجہل و حماقت قریں بودند جاوداں را قبول کردند با آنکه مفاد کلمات آں علانا انکار فرائض الہی و تسلیم بشہوات و ملذات جسمانی بوده، آنرا "سر" می نامیدند و

ان سب میں ایک علی الاعلی کے لقب سے ملقب تھا اناطولیہ میں حاجی بکتاش کی خانقاہ میں پہنچا اور وہاں گوشہ نشیں ہوگیا ، زندگی بھر وہیں رہا ، خانقاہ کے افراد کو جاودان کی تعلیم اس دھوکے میں رکھ کر کہ یہ حاجی بکتاش ہی مبادی ہیں جو اولیا میں ہیں ، پیروان خانقاہ جو جہالت اور حماقت کے قریب تھے "جاودان" کو قبول کرلیا، اس کے باوجود کہ اس کے کلمات کا خلاصہ اعلانیہ انکار فرائض الہی اور جسمانی شہوات و لذات کے تعمیل کی تلقین تھی اس نے اس کا نام "سر" رکھا

(۱) لغت نامۂ دہخدا، ج ۱۹، ص ۴۸۳، کالم ۲، تاریخ ادبیات ایران (انگریزی)، ج ۳، ص ۴۷۳۔

(۲) ایضاً، براؤن تاریخ ادبیات ایران، ج ۳، ۷۰۔۳۶۹۔

دراں کتمان و سکوت بسیار نمودند۔

تھا جس کے سکوت و راز کا کافی اہتمام کرتے تھے۔

ایک اور ترکی دانشور ڈاکٹر توفیق رضا جو "فیلسوف رضا" کہے جاتے ہیں انہوں نے بھی بکتاشیوں کے بارے میں اسی طرح کے خیال کا اظہار کیا ہے (۱)۔

علی الاعلی کسانی را که بنام بکتاش دراں سر زمین خوانده می شد و خوانده می شوند با دینی و نوشتہای فضل آشنا ساخت و ایشانرا بفضل گروانید ، بکتاشیاں با کشتہا و عقوبتہای سخت و دلخراش که از ایشان در عہد عثمان شد ہنوز در کشور پیروان دارند و آنچه از نوشتہای حروفیاں در جہاں پراگنده شده بیش ایشاں کرده است۔

علی الاعلی نے ان لوگوں کو جو اس سرزمین پر بکتاش کہے گئے اور کہے جاتے ہیں فضل کے دین اور اس کی تحریروں سے آشنا کیا اور انہیں فضل کی طرف پھیر دیا، سخت اور دل خراش اذیتوں اور عقوبتوں سے عہد عثمانی میں گذرنے کے باوجود اب بھی اس ملک میں اس کے معتقدین موجود ہیں، حروفیوں کی تصانیف جو دنیا بھر میں پھیلیں زیادہ تر انہیں کی پھیلائی ہوئی ہیں۔

علما و محققین کی طرف سے ان حقائق کے انکشاف کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ "مذہب حروفی" اسلام دشمن تحریک تھی (۲)، ایران و ترکی کے علما اور سلاطین کی مخالفت اور ایران (مرکز) سے بدر کئے جانے کے باوجود نہ صرف زندہ رہی بلکہ ترکی اور ایشیاے کوچک میں وسیع پیمانے پر لوگوں کے مذہبی عقاید کو متاثر کیا ہے، یہ عجیب اتفاق ہے کہ "حروفی" اور "نقطوی" دونوں تحریکیں ایران سے اٹھیں لیکن دونوں نے اپنے مرکز سے دور اپنا اثر و نفوذ پیدا کیا، خود ایران میں ان کا وجود بھی باقی نہیں رہا، حروفیوں نے ترکی اور ایشیاے کوچک اور نقطویوں نے ہندوستان میں فروغ پایا۔

قبل اس کے کہ مذہب حروفی کی مبادیات اور اس کے عقاید کا سرسری جائزہ لیا جاے مناسب معلوم ہوتا ہے "علم الحروف" کے بارے میں متقدمین کا بیان نقل کردیا جاے، تاکہ حروفی مذہب جس کی بنیاد حروف پر رکھی گئی ہے اس کو سمجھنے اور اس میں اور علم الحروف میں، جو بنیادی فرق ہے اس کو محسوس کرنے میں آسانی ہو۔

(۱) لغت نامہ دہخدا، ج ۱۹، ص ۴۸۱، کالم ۲۔ (۲) ایضاً، ص ۴۸۵، کالم ۱و۲۔

اسلام میں حروف کی خاصیت پر اعتقاد کی تاریخ بہت پرانی ہے جن لوگوں کا اس پر عقیدہ تھا، حروفی کہے جاتے تھے، ابن ندیم نے اپنی کتاب "فہرس" میں معزمین (دعانویسوں) کے دو گروہ بتائے ہیں، ایک کے طریقے کو پسندیدہ اور دوسرے کے طریقے کو ناپسندیدہ اور مذموم بتایا ہے، اسلام میں اس علم کی بنیاد رکھنے والا پہلا شخص ابونصر احمد بن ہلال بکیل تھا، اس کے بعد ہلال بن وصیف تھا جس نے اس موضوع پر تین کتابیں "صاحب الروح المتلاشیہ" "المفاخر فی الاعمال" اور "ما قالہ الشیاطین لسلیمان" بھی لکھی ہے، اس کے بعد ابن الامام تھا جو عباسی خلیفہ المعتز (۲۵۱-۲۵۵) کا ہم عصر تھا(۱)۔

ابن خلدون (۷۳۲-۷۸۴) نے اپنے "مقدمہ" کی پہلی جلد کی چھٹی فصل میں "علم السحر والطلسمات" کے عنوان سے اس قدیم مذہب کا تفصیل سے تعارف کرایا ہے، ان کا بیان ہے کہ اس علم کا نام "علم سیمیا" ہے، اسلام میں جب "غلات متصوفہ" داخل ہوئے اور صوفیہ کو ورائے حواس رسائی کا خیال پیدا ہوا اور درجات نزولی وصعودی کے قائل ہوئے ارواح افلاک کو خدا کے مظاہر سمجھنے لگے تو یہ علم وجود میں آیا، اس عقیدے کی رو سے دنیا کو وجود میں لانے والے خدا کے اسماء ہیں جو حروف سے مرکب ہیں، در حقیقت یہی حروف تمام عالم کے تشکیل دہندہ ہیں اور اس کی روح ہیں، لہذا ان حروف اور اسمائے حسنیٰ کے وسیلے سے عالم طبیعت کو متاثر کیا جا سکتا ہے۔

حروف کے اثر انداز ہونے کے طریقے اور اس کے سبب میں اختلاف رائے ہے، ایک گروہ کہتا ہے کہ حروف کی تاثیر کا سبب اس کا مزاج ہے، یہ گروہ عناصر اربعہ کی طرح حروف کے بھی چار قسم کے مزاج کا قائل ہے، اس کے نزدیک سات حروف (ا، ہ، ط، م، ف، س، ز) آتشیں مزاج، سات حروف (ب، و، ی، ن، ص، ت، ظ) ہوائی، سات حروف (ذ، ج، ل، ع، خ، و، ش) خاکی اور سات حروف (ح، ث، ر، ض، غ، ق، ک) آبی مزاج ہیں، آتش مزاج حروف سرد بیماریوں کو دفع کرتے اور حرارت کو تقویت پہنچاتے ہیں، اسی طرح آبی حروف کے وسیلے سے اس کے اعمال کی ضد کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔

دوسرا گروہ حروف کی تاثیر اس عدد کو مانتا ہے جو اس حرف میں پوشیدہ ہے، ان کا کہنا ہے

(۱) لغت نامہ دہخدا، ص ۶-۷۰۲ (بحوالہ "فہرست" ابن ندیم، ن۔ ۲، ص ۴۳۱۔

کہ ہر حرف کسی عدد کا نمائندہ ہوتا ہے، مثلاً ا، ب، ج، د (ابجد) ۱، ۲، ۳، ۴، کے نمائندے ہیں، اس کے نزدیک علم کیمیا کا موضوع جسم میں جسم کی تاثیر ہے جب کہ علم سیمیا کا موضوع روح کی تاثیر جسم میں ہے، پہلے گروہ کے نزدیک عناصر چہارگانہ اور حروف کے درمیان تناسب علمی اور منطقی امر نہیں ہے بلکہ ایک کشفی اور ذوقی مسئلہ ہے جب کہ دوسرے گروہ کے نزدیک حرف اور عدد کے درمیان تناسب علمی اور منطقی امر نہیں ہے بلکہ کشفی اور ذوقی مسئلہ ہے(۱)۔

ابن خلدون اہل طلسم اور اہل اسماء کے مابین جو فرق ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل طلسم وسحر کو جسمانی ریاضتوں کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اہل اسماء کی ریاضت اکبر ہے جو قانون کے تحت نہیں آتی، ان کے تصرفات خدائی کرامت ہوتے ہیں جو قانون کے تحت نہیں آتے، لیکن اہل اسماء نے بھی کلمات اور ستاروں کے ارتباط کے قوانین وضع کیے ہیں اور کاہنوں اور نجومیوں ہی کی تقسیموں کو حروف اور کلمات کی تقسیم میں استعمال کیا ہے، کچھ نے اس پر بھی اکتفانہ کرتے ہوئے قرآنی آیات کی بھی دستہ بندی کی ہے اور ہر دستہ کو ستاروں میں سے کسی ستارے سے اور اس ستارے کو عالم طبیعت کے کسی قطعہ سے مربوط کر دیا ہے، اس میں مسلمہ بن احمد المجریطی اور احمد بونی قابل ذکر ہیں (۲)۔

ابن خلدون کا بیان ہے کہ اس خالص علمی تحریک کے افکار میں بعد میں کافی تبدیلیاں ہوئی ہیں اور اس میں طلسم وسحر کو بھی شامل کر لیا گیا تھا جس سے لوگوں کا یقین واعتماد اس پر سے کم ہو گیا۔

ابن خلدون کے اس خیال سے پورے طور پر اتفاق تو ذرا مشکل ہے کیوں کہ ستر ہویں صدی کے ہندوستانی شاعر میرزا عبدالقادر بیدل نہ صرف حروف کی تاثیر کے قائل تھے بلکہ اس پر عمل بھی کرتے تھے، انہوں نے اس موضوع پر مفصل اور حکیمانہ بحث بھی کی ہے، ان کا نظریہ ہے کہ کل کائنات "کلمات" یا "حروف" ہیں، اشیائے کائنات یا ان کے تصورات جو ہمارے قلب میں ہیں اور جن کو خیالات سے موسوم کیا جاتا ہے در حقیقت حروف ہیں جن کے ذریعہ اشیائے کائنات ہم سے ہم کلام ہو کر اپنا مافی الضمیر واضح کرتی ہے، کائنات تصور ہے اور اشیاء کی صورتیں جو ہم دیکھتے اور سنتے ہیں وہ تصویری حروف ہیں، قلب انسانی میں کوئی خیال بغیر حروف کے پیدا نہیں ہو سکتا،

(۱) لغت نامہ دہخدا، ص ۴۷۶، بحوالہ "مقدمہ" ابن خلدون، ج ۱، بند ۲۲-۲۳۔ (۲) بیدل، عبداللہ اختر، ص ۲۳-۲۲۔

حقیقت ''کلمہ مجردہ'' ہے اور ''حقیقت مجردہ'' کا احساس اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کسی صورت میں محسوس نہ ہو، یہ صورتیں حروف ہیں۔

بیدل کلام الٰہی کو ''حقیقت مجردہ'' مانتے ہیں، ان کے نزدیک اس حقیقت پر مطلع ہونے کے کسی انسان میں تاب و تواں نہیں ہے، اطلاع کی دو ہی صورتیں ہیں ''وحیاً'' یا ''من ورائے حجاب''، وحی کلام ہے حروف کی صورت میں قلب انسانی سنتا ہے۔

بیدل نے اس موضوع پر جن لفظوں میں بحث کی ہے وہ نہایت اَدَق ہے، ان کے فلسفیانہ نکات کو سمجھنا اور ضبط تحریر میں لانا میرے لیے مشکل ہے، تفصیل کے لیے ان کی کتاب ''چہار عنصر'' یا عبداللہ اختر کی تصنیف ''بیدل'' کا مطالعہ کیا جانا چاہیے، بیدل نے اپنے زمانے کے کئی ایسے بزرگوں کا بھی ذکر کیا ہے جو تاثیر حروف کے قائل اور عملیات سے کام لیتے تھے، ان کی کرامات کے بیدل عینی شاہد ہیں (۱)۔

یہاں اس کی وضاحت ضروری ہے کہ ابن خلدون اور بیدل نے علم حروف کے جو نظریے پیش کیے ہیں ان کا فضل اللہ کے ''مذہب حروفی'' سے کوئی تعلق یا مناسبت نہیں ہے اور ہمارا موضوع ''مذہب حروفی'' ہے جو ایک اسلام دشمن تحریک تھی، اس کے مطالعہ کے وقت اس فرق کو ذہن نشین رکھنا ہوگا۔

فضل اللہ استرآبادی نے جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے حروف کو اپنے مذہب کی بنیاد بنایا، وہ حروف کو الفبا کو محسوسات انسانی تصور کرتا تھا، اس کا کہنا تھا کہ اگر کوئی آسمانی کتابوں اور انبیا کے اقوال کے صحیح مطلب اور مفہوم کو سمجھنا چاہے تو پہلے اسے حروف کے معنی، اس کی خاصیت اور رازوں کو سمجھنا ہوگا، یہ حروف اٹھائیس عربی کے الفبا اور تیس فارسی کے ہیں جس پر لسان اہل جنت عربی، فارسی اور دری کی حدیث گواہ ہے، اس کا اور اس کے معتقدین کا دعویٰ ہے کہ کسی بھی زبان میں تیس سے زیادہ حروف نہیں ہیں، یہ حروف اور اس کے مظاہر قدیم ہیں، وہ اسماء (وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا) جو خدا نے آدم کو سکھائے اور آدم نے (يَا آدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَائِهِمْ) فرشتوں کو سکھائے، یہی حروف قرآن اور سارے آسمانی صحائف اور خدا کے ناموں کی اصل ہیں (۲)۔

---

(۱) بیدل، عبداللہ اختر، ص ۲۲، ۲۳ (۲) لغت نامۂ دہخدا، ص ۷۷۴۷، بحوالہ ابن خلدون 'مقدمہ' ج ۱، بند ۲۲، ۲۳، ص ۱۷۱ و حاشیہ۔

وہ ظہور حق کے تین درجات مانتا تھا، نبوت، ولایت اور الوہیت، اول الذکر دو درجات میں اسمائے کسوت ترتیب میں ہیں اور مختلف پردوں میں ان کا ظہور ہوتا ہے (یعنی پردوں میں ہیں) تیسری درجہ میں اسمائے مفردہ (حروف) میں اس کا ظہور ہوتا ہے۔

اس کا دعویٰ ہے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے اس راز سے پردہ اٹھایا ہے اور حروف کی خاصیت اور اس کے رازوں سے لوگوں کو آشنا کیا ہے (۱)۔

اس نے قرآن کی اپنی تفسیر کی بنیاد اصالت حروف پر رکھی ہے اور حدیث ''ان للقرآن ظهراً و بطناً و لبطنه اهل سبعة البطن'' کا حوالہ دیا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ وہی پہلا شخص ہے جو قرآن کے بطن اصلی تک جو اس کی صحیح تفسیر اور حقیقی معنی ہیں پہنچ پایا ہے (۲)۔

اس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ تنہا وہی ہے جس نے آسمانی کتابوں کے اسرار اور ''اَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى'' کے راز کو سمجھ سکا ہے (۳)۔

اس کا کہنا تھا کہ اس کی روح ملاء اعلیٰ اور آسمانوں سے گذر کر خدا اور بہشت کے سامنے سے ہوتی ہوئی اس مقام پر پہنچتی تھی جہاں شیطان کا گذر نہیں ہے۔

اسے اس کا بھی دعویٰ ہے کہ وہی تنہا شخص ہے جس کی رسائی عالم ارواح، ذات وصفات اور ملکوت تک ہے اور جس نے ''ما کان وما یکون'' کا مشاہدہ کیا ہے، خدائی علم کی راہ طے کی ہے اور خدائی علم اس کے پاس ہے، تنہا وہی مسلمانوں میں ''گروہ ناجیاں'' کو پہچانتا ہے (۴)۔

اس نے قرآن کی آیات کے جو نئے معانی و مفاہیم بیان کیے ہیں ان کی حقانیت پر حدیث اور کہیں کہیں انجیل کو گواہ بنایا ہے جو اس کے خیال میں صحیح ترین معنی ہیں، اس کے علاوہ کوئی اور ان معنوں تک نہیں پہنچ سکا ہے، اسی لیے وہ خود کو ''مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ'' لکھتا ہے (۵)۔

وہ قرآن کو آخری الہامی کتاب اور حضور ختمی رسالت مآب ﷺ کو آخری نبی مانتا تھا، اس کا کہنا تھا کہ قرآن کے بعد نزول وحی اور حضور ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ بند ہوگیا، اب ولی ہوا کریں گے، لیکن اس سے یہ دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کہ وہ یا اس کے پیرو مسلمان تھے کیوں کہ وہ اپنے

---

(۱) لغت نامۂ دہخدا، ص ۷۷۴۷، بحوالہ ابن خلدون 'مقدمہ' ج ۱، بند ۲۲، ۲۳، ص ۱۷۱ و حاشیہ۔ (۲) ایضاً۔ (۳) ایضاً۔ (۴) لغت نامۂ دہخدا، ج ۱۹، ص ۷۷۴۷، کالم ۲۔ (۵) ایضاً، کالم ۳۔

مریدوں سے خود کو تمام پیغمبروں سے بہتر و برتر بتاتا تھا اور کہتا تھا کہ جو کچھ دوسرے پیغمبروں پر وحی والہام کے ذریعہ روشن نہ ہوسکا وہ اس پر آشکارا ہے، نیز جو کچھ کوئی پیغمبر نہ کہہ سکا وہ کہہ رہا ہے، اس کے علاوہ قرآن و احادیث کے بارے میں اس کے افکار و نظریات اور اس کی تفسیر ان عقاید و نظریات سے بالکل مختلف ہیں جن پر جمہور مسلمانوں کا ایمان اور اعتقاد ہے، اس کا کہنا تھا کہ نبوت حضور ﷺ کی ذات پر ختم ہوگئی اور ولایت کا آغاز ہے، حضور ﷺ جنہیں ''ختم اولی'' کہا جاتا ہے صاحب نبوت بھی تھے اور صاحب ولایت بھی، ان کے بعد علیؓ اور ان کے گیارہ صاحبزادے ولی ہیں (صاحب ولایت)، بارہویں صاحب ولایت بھی ہیں اور مظہر الوہیت بھی ہیں، جس طرح پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد نبی نہیں آسکا اسی طرح مہدی کے بعد ولی بھی نہیں آئے گا، جس طرح پیغمبر اسلام خاتم النبیین ہیں اسی طرح مہدی ''خاتم ثانی'' یا خاتم ولایت ہیں، دونوں کو ملا کر ''خمین'' کہا جائے گا، فضل کے قتل کے بعد اس کے جانشینوں نے خود فضل کے ''مظہر الوہیت'' ہونے کا عقیدہ اپنے مریدوں میں پھیلایا جس نے اسے سب سے پہلے کلمہ ''اللہ ھی العلیا'' کے نام سے پکارا وہ اس کی بیٹی تھی جو وصیت نامہ کی نص صریح کی رو سے اس کی جانشین تھی (۱)۔

اس کے علاوہ خود فضل اللہ اور بعد میں اس کے جانشینوں نے اپنی تصانیف میں فضل اللہ کے لیے جو القاب استعمال کیے ہیں وہ نبوت کے درجے سے بڑھے ہوئے ہیں، مثلاً مہدی، خاتم الاولیا، خاتم ثانی، مظہر الوہیت، صاحب ولایت، شہید محمد، صاحب بیان، صاحب تاویل، مظہر کلام قدیم، حضرت رسالت، صورت اصل خدائی، ذبیح عظیم، شہید اعلیٰ وغیرہ (۲)۔

اس کے مریدین اسے خدا یا حق اور خدا کے دوسرے صفاتی ناموں سے پکارتے تھے، زیادہ تر ''صایل'' (یہ کسی لفظ کا مخفف ہے) یا ''حضرت صایل'' اور ''حضرت بزرگواری'' القاب کے لیے اور ''دجل عزہ'' (یہ بھی مخفف ہے)، دجل فضلہ اور عز فضلہ، صفت کے طور پر استعمال کرتے تھے (۳)۔

فضل اللہ کے نام سے چار کتابیں ''عرش نامہ''، ''نوم نامہ''، ''محبت نامہ'' (انہیں تینوں کے مجموعے کو غالباً ''جاودان کبیر'' کہا جاتا ہے) اور ایک دیوان منسوب ہے ''جاودان نامہ'' کے

(۱) لغت نامہ دہخدا، ج ۱۹، ص ۴۷۷، کالم ۳۔ (۲) ایضاً (۳) ایضاً

نام سے چھ کتابیں ہیں، ان میں ایک فضل کی ہے جو ''جاودان کبیر'' کہی جاتی ہے، باقی پانچ اس کے خلفا کی لکھی ہوئی ہیں (۱)۔

''جاودان کبیر'' میں قرآن کی جو تفسیر ہے اس میں اس نے عجیب و غریب تاویلات پیش کی ہیں اور الفاظ کو نئے معنی دیے ہیں (۲)، یہ تفسیر عربی، فارسی اور مقامی بولی (گرگانی) آمیختہ ہے، غالباً اس نے قرآن کی اس آیت کی پیروی کی ہے ''وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَضْلُ اللّٰهِ مَنْ يَّشَاءُ'' (۳) کلیمنٹ ہوارٹ، جان کنگسلے برگ، ڈاکٹر توفیق رضا وغیرہ نے اس کے متون شائع کیے ہیں، ہوارٹ نے اس پر اپنا تبصرہ صرف زبان و بیان تک محدود رکھا ہے، جب کہ توفیق رضا نے معانی و مطالب سے بھی بحث کی ہے، اسحاق آفندی نے اس کے مذہبی عقاید و نظریات پر اسلامی نقطۂ نظر سے تنقید کی ہے۔

جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے حروفیوں نے اپنے عقاید و نظریات کی تبلیغ و اشاعت میں رمزیہ انداز اختیار کیا ہے، اس کے لیے انہوں نے حروفی علامتیں وضع کی تھیں اور ان علامتوں کی تشریح و توضیح کے لیے ایک رسالہ ''مفتاح الحیات'' تصنیف کیا تھا، ان توضیحات کو سمجھے بغیر ''جاودان'' کے معانی و مفاہیم کا سمجھنا تقریباً ناممکن ہے، ذیل میں کچھ علامتوں کی نشان دہی کی جاتی ہے، ہر علامت کے سامنے پورا لفظ یا کلمہ لکھ دیا گیا ہے بعض یکساں علامتوں کے معنی کے فرق کو ظاہر کرنے کے لیے ان پر مد لگاتے تھے یا خط کھینچ دیتے تھے (۴)۔

ایم = ابراہیم، حف مقصہ = حرف مقطعہ، او = الوہیت، صہ = صورت، ح ق =

(۱) لغت نامۂ دہخدا، ج ۱۹، ص ۴۸۲، کالم ۳، ص ۴۸۵، کالم ۳ (۲) ایضاً ص ۴۷۷، کالم ۱، ایضاً ''فضل اللہ استرآبادی با بیان معنی ہای شگفت انگیز ... آیہ ہای قرآن و سخنان پیغمبر اسلام دین نوئی پدید آورد و بنیاد تفسیر ہای خود را بر اصالت حروف نہاد'' (۳) ایضاً ص ۴۸۵، کالم ۳، فضل این کتاب را بحکم آیہ وما ارسلنا من رسول الا بلسان قوم لیبین لھم فضل اللہ و یھدی من یشاء وھو العزیز الحکیم نوشتہ است (معارف: اصل متن اور حاشیہ میں آیت قرآنی صحیح نہیں نقل ہوئی ہے، معلوم نہیں غلطی کس کی ہے) (۴) تفصیل کے لیے دیکھیے لغت نامۂ دہخدا، ج ۱۹، ص ۴۸۷، کالم ۲، نیز براؤن، تاریخ ادبیات ایران، ج ۳، ص ۳۶۷۔

حضرت حق ،صہ د = صورت آدم، تع = تعالیٰ، خطس = خط استوار، صہ لہ = صورت اللہ، ج = جل، خل = خلقت، ط = خط، جبل = جبرئیل، د = آدم، طیا = شیطان، ج نامہ = جاویدان نامہ، ذ = ذات، طس = خط استوا، ج = جل عزہ، ذق = ذات حق، طف = طواف، ج ی = جاودان نامہ الٰہی، رضہ = رضی اللہ عنہ، طیاطو = خطوط، چہ = چہاردہ، طیاطی = خطوط الٰہی، ح = حضرت، ش نامہ = عرش نامہ، ظ = ظاہر، حف = حرف، ص = صلوٰۃ، ع = عرشنامہ، ع = علیہ السلام، ق تعہ = حق تعالیٰ، م نامہ = محبت نامہ، عم = علیہ السلام، ق = قرآن، م ی = محبت نامہ الٰہی، ع ی = عرشنامہ الٰہی، ک = کلمہ، ن = نقطہ، ع = عیسیٰ، ک اہ = کلمۃ اللہ، تس = انسان، ف = فضل، م = محمد، و = حوا، ف اہ = فضل اللہ، مع = معراج، ویاوہ = وجہ، ق = حق، مقہ = مقطعہ، وم = والسلام۔

حروفیوں اور بکتاشیوں کی لکھی ہوئی ۶۵ کتابوں کی فہرست ''لغت نامۂ دہخدا'' میں دی ہوئی ہے، ان میں بیشتر شایع ہوچکی ہیں، ان کتابوں کی خصوصیت یہ ہے کہ زیادہ تر میں ''نامہ'' کا لاحقہ لگا ہوا ہے، مثلاً عرشنامہ، نومنامہ، محبت نامہ، بشارت نامہ وغیرہ۔

ہندوستان میں حروفیوں کے وجود کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا، لیکن فیروز شاہ تغلق کی وفات (۷۹۰/۱۳۸۸) اور مغل حکمراں اکبر (م ۱۰۱۴/۱۶۰۵) کی تخت نشینی کے درمیانی ڈیڑھ سوسالہ مدت میں جب مرکزی حکومت کمزور ہوچکی تھی سندھ، پنجاب اور گجرات میں ایسے صوفیوں کے وجود کا پتہ چلتا ہے جو عقیدتاً شیعہ تھے اور تصوف کے پردے میں شیعی عقاید کی تبلیغ کرتے تھے، معاشرے میں قید شریعت سے آزاد قلندروں، درویشوں اور ملنگوں کی کثرت تھی جن میں اخلاقی قدروں سے بے نیازی اور جنسی بے راہ روی عام تھی، عوام میں دعا، تعویذ، جھاڑ پھونک، غیب کی باتیں معلوم کرنے اور دوسری توہم پرستیوں پر اعتقاد بڑھ گیا تھا جو آج بھی کم نہیں ہوا ہے، دارالحکومت سے دور ملک کے طول و عرض میں کثرت سے خانقاہیں، زاویے اور تکیے قائم ہوگئے تھے۔

اس نکتے کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ حروفی فرقہ نقطویوں کے برعکس اپنے مذہبی عقاید و نظریات کی نشرو اشاعت میں کافی محتاط تھے اور عموماً مسلمانوں کے دوسرے مذہبی فرقوں میں شامل ہوکر ان فرقوں کے پیروؤں کے درمیان خفیہ طور پر اپنے عقاید و نظریات کی تعلیم دیتے تھے، اگر ہندوستان کے مذہبی فرقوں پر عمیق النظری سے تحقیق اور ان کے عقاید کا معروضی تجزیہ کیا جاے تو

حیرت انگیز نتائج اور کچھ نئے انکشافات کا امکان زیادہ ہے، اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ ترکی میں سلطان محمود خاں کے زمانے میں جب بکتاشیوں اور حروفیوں کا قتل عام ہوا تھا تو جو مشائخ اور ان کے معتقدین بچ رہے تھے انہوں نے خود کو جن دوسرے فرقوں سے منسلک کرلیا تھا ان میں نقشبندیہ اور قادریہ بھی تھا، حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحب زادے خواجہ کلاں نے ''مبلغ الرجال'' میں مولانا قاسم الانوار جنہیں میرانشاہ نے حروفیوں سے تعلق پر ہرات بدر کردیا تھا ان کے عقاید کو مثال کے طور پر بیان کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کے عقاید کا یہاں کے صوفیہ کو علم تھا، یہ کام وہی شخص بہتر طور پر انجام دے سکتا ہے جو عربی اور فارسی زبان کے ساتھ ترکی زبان پر بھی دسترس رکھتا ہو کیوں کہ اس مذہب کے بارے میں زیادہ تر مواد ترکی اور فرانسیسی میں ہے۔

حوالہ جات و مآخذ

(۱) لغت نامۂ دہخدا، ج ۱۹۔ (۲) کشف الاسرار و دفع الاشرار، اسحاق آفندی۔ (۳) مجمع التواریخ، فصیح خوافی۔ (۴) تذکرۃ الشعراء لطیفی۔ (۵) حبیب السیر، میر خواند۔ (۶) خلاصۃ الاخبار، میر خواند۔ (۷) تاریخ الفی، قاضی زادہ تتوی۔ (۸) مطلع السعدین، کمال الدین عبدالرزاق۔ (۹) عرفات العاشقین، تقی اوحدی۔
(۱۰) الضوء اللامع لاہل القرن التاسع، شمس الدین سخاوی۔ (۱۱) القوۃ الفریدۃ فی تراجم الاعیان المفیدۃ، مقریزی۔
(۱۲) بشان السیاحہ وطرایق الحقائق۔ (۱۳) الشقائق النعمانیہ فی علماء الدولۃ العثمانیہ۔ (۱۴) از سعدی تا جامی۔ (۱۵) کشف الظنون، حاجی خلیفہ۔ (۱۶) A Literary History of Persia, Vol
III Browne. (۱۷) The Baktashi order of Dervishes, Jhon Kingsley
Berg. (۱۸) Notice d'un manuscrit Phelavi musalman, M. Clement
Huart. (۱۹) Textes of Oltoman Poetry, E. J. W. Gibb (۲۰)
Textes Persan retalifs a la (۲۱) Hourоufis, Dr. Reza Taufiq.
Suivis d'une (۲۲) secte des Houroufis, M. Clement Huart.
(۲۳) etude sur la religion des Houroufis, Dr. Reza Taufiq.
Elenco die manuscritte. Persianic della Biblioteca Valicana,
Biblioteca Valicana, Ettore Rossi

ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہی
کا رسالہ فی ملکوت اللہ

از جناب ابوسفیان اصلاحی ☆

ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہی (۱۸۶۳ـ۱۹۳۰) قرآنیات کے متبحر عالم تھے، وہ عربی زبان وادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے، نظم قرآن کا نظریہ ان کا امتیاز اور خاص پہچان ہے، انہوں نے قرآنی علوم و معارف پر مختلف اور گوناگوں پہلوؤں سے بحث کی ہے اور متعدد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن میں ایک قیمتی تصنیف ''فی ملکوت اللہ'' ہے، یہ بھی مولانا کی دیگر تصانیف کی طرح عربی زبان میں ہے، وہ اپنی اکثر تصانیف کی طرح اس کتاب کو بھی اپنے منصوبے اور خاکے کے مطابق مکمل نہیں کر سکے تھے تاہم اس کے جو متفرق مباحث اشارات اور نوٹس کی صورت میں ان کے مسودات میں موجود تھے ان کو دائرہ حمیدیہ کے سابق ناظم اور مولانا فراہی کے علوم و معارف کے اداشناس مولانا بدر الدین اصلاحی (متوفی ۱۹۹۶ء) نے مرتب کر کے ایک مفید علمی وقرآنی خدمت انجام دی ہے، ان نامکمل مباحث اور اشارات سے بھی مولانا کی عبقریت، فکر رسا، دقت نظر اور قرآنی بصیرت کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے، ذیل میں اس کے مباحث کا خلاصہ و تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

اس رسالے کا موضوع اسلامی اور قرآنی سیاست ہے، اس میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلام میں علم سیاست کی کیا اہمیت ہے؟ آیات کریمہ کی روشنی میں مولانا نے علم سیاست کے نفع بخش پہلوؤں کو واضح کرتے ہوئے دکھایا ہے کہ یہ علم معاملات فہمی اور معاشرتی مسائل کی نزاکتوں کو سمجھنے میں نہایت معاون ومفید ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں علم

☆ لکچرر شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔

سیاست کی قدر و منزلت پر گفتگو کی گئی ہے، اس علم کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ تہذیب و معاشرت کو خوش گوار بنایا جائے، لوگوں کے جذبات و احساسات کو پیش نظر رکھ کر ماحول اور سوسائٹی کو امن و سکون کا گہوارہ بنایا جائے، ملکوت اللہ کا اقتضا یہی ہے کہ تمام افراد و اشخاص اسلامی تمدن و معاشرت میں رنگ جائیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اسلامی ریاست کا قیام ہو۔

اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ کو اسلامی ریاست اور خلافت کے قیام واستحکام کے لیے منتخب کیا ہے، اس امت کا فریضہ ہے کہ اس سرزمین میں اللہ کی فرماں روائی کو نافذ اور جاری کرنے کے لیے سعی بلیغ کرے، مولانا نے اپنے اس خیال کو قرآن کریم سے مدلل طور پر ثابت کیا ہے اور لکھا ہے کہ انسان کو اس زمین پر خلیفہ بنایا گیا ہے، امت مسلمہ جب دنیا میں اللہ کے احکام سے سرتابی کرتی ہے تو دنیا کی سیادت و قیادت اس سے چھین لی جاتی ہے اور وہ حاکم کے بجائے محکوم بنادی جاتی ہے، اللہ کی یہ سنت ابتدائے آفرینش سے چلی آرہی ہے۔

مولانا نے اس کتاب میں خلیفہ کے اوصاف بھی بیان کیے ہیں اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ خلافت کی بنیاد معاہدہ پر ہوتی ہے، اور اللہ کی فرماں روائی کے کچھ قوانین اور خاص خطوط تا قیامت تبدیل نہیں ہوسکتے، کتاب کے آخر میں مولانا نے یہ بحث کی ہے کہ مختلف امور میں کس انداز سے اللہ کے احکام وقوانین کا نفاذ کیا جائے اور ظاہری اور باطنی اعتبار سے ملکوت اللہ انسانوں کے اندر کس طرح کے تغیرات وانقلابات پیدا کرنا چاہتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اسلامی ریاست کا مقصود و مطلب قلوب انسانی میں نمایاں تبدیلی لانا اور باطن کی مکمل تطہیر اور اسے آلائشوں سے پاک و صاف کرنا ہے، ''ملکوت اللہ'' میں انہی تمام امور کو موضوع بحث بنایا گیا ہے تاہم اس کتاب سے اسلامی ریاست کا ایک مکمل خاکہ سامنے نہیں آتا البتہ اس کے کچھ بنیادی نکات ضرور سامنے آتے ہیں اور یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کے مقاصد کیا ہیں؟ خلیفہ کے اوصاف و امتیازات کیا کیا ہیں؟ حکومت کب سلب کرلی جاتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے یہاں قوموں کے عزل ونصب کا قانون کیا ہے، اس کی فرماں روائی انسان کے اندر کیا خصائص ابھارنا چاہتی ہے؟ اور اس کے ظاہر و باطن میں کیا نمایاں تبدیلی لانا چاہتی ہے؟ ان تمام موضوعات پر گو مولانا کی بحث تشنہ ہے، مگر وہ اسلامی سیاست کی پہنائیوں اور اس کے قرآنی افکار و تصورات سے اچھی طرح واقف تھے۔

مولانا نے کتاب کے مقدمہ میں اس پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ چوں کہ ہمارے علمائے کرام میں سے کسی نے بھی ملکوت اللہ (قرآنی سیاسیات) سے تعرض نہیں کیا، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس کا ایک اچھا تعارف کرایا جائے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے اور اس سے منظر عام پر آنے والے مختلف علوم کا ذکر اس انداز سے کیا جائے کہ دینی حیثیت سے اس کا مقام و درجہ واضح ہو جائے اور طمانیت و یقین کے طالبین کے سامنے اس کی افادیت عیاں ہو جائے۔

اس سے دراصل قرآن مجید کو اصل و بنیاد بنا کر ابھی تک علم سیاسیات میں کوئی تصنیف موجود نہیں تھی جس سے اسلام میں اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا، اس لیے مولانا کتاب الٰہی کو اصول و معیار بنا کر یہ کتاب لکھنا چاہتے تھے مگر افسوس کہ اس کی تکمیل کی نوبت نہیں آئی۔

اسلام میں علم سیاسیات کا درجہ و مقام واضح کرنے کے لیے حضرت مولانا نے پہلے اس امر کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے کہ تمام دینی علوم و معارف کا اقتضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی تمام صفات کی صحیح معرفت حاصل ہو، کیوں کہ صفات الٰہی کے علم سے اللہ کی بے نظیر فرماں روائی اور بادشاہت کا تصور ابھر کر سامنے آتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی اطاعت روا نہیں، اس کی بادشاہی عدل و رحمت سے عبارت ہے، روز آخرت کی تاخیر سے اس کی حکمت اور اس کے حلم کا اندازہ ہوتا ہے، اسی طرح رسالت محمدیہ دنیا اور آخرت دونوں میں بنی نوع انسان کے عدل و انصاف اور فوز و فلاح کی ضامن ہے، دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے تمام احوال و آثار سے اللہ کی سلطانی کا پتہ چلتا ہے اور یہ تمام چیزیں اللہ کی حکمتوں سے منسلک ہیں، خواہ بے پروا اور ناعاقبت اندیش لوگوں کو اللہ کی یہ حکمتیں نظر نہ آئیں (ص ۴)۔

علم سیاسیات کے فوائد مولانا نے علم سیاست کے فوائد بیان کرتے ہوئے حسب ذیل امور پر روشنی ڈالی ہے:۔

۱۔ اس سے دنیا کی تاریخ کا شعور پیدا ہوتا ہے اور انسان کو سکون قلب نصیب ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کن کن امور میں خیر کا پہلو ہے۔ ۲۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے دین اسلام کی تاریخ کی حقیقت کا اندازہ ہوتا ہے جو ہر عہد میں اللہ کے نیک بندوں کے لیے بشارت ثابت

ہوئی ہے، ۳۔ علم سیاسیات اسلامی احکام کی فہم و معرفت اور اس کی حکمتوں اور حقائق کی تشریح میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے، ۴۔ انجیل کی تفسیر و توضیح میں بھی یہ علم معاون ہے، ۵۔ معیاری اور اچھی سیاست اصلاً دینی سیاست کے موافق ہے، ۶۔ اس سے اسلامی شریعت کے عدل و انصاف کا کامل نمونہ ہونے کا پتہ چلتا ہے، اسے تشریعی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ یہ عقل و فہم سے بالاتر نہیں ہے بلکہ تشریعی اعتبار سے دین اسلام کے مکمل ہونے کا ثبوت ہے، ۷۔ یہ علم اس کو جاننے میں بھی معاون ہے کہ ہدایت و ضلالت، رحمت و نقمت، سخط و رضا اور زجر و توبیخ کے باب میں بندوں کے ساتھ اللہ کا کیا معاملہ رہا ہے؟ ۸۔ اس علم کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اللہ کی مختلف صفات، بادشاہت، عدل، رحمت و حکمت کے توسط سے معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ ۹۔ علم سیاسیات دین و دنیا کے باہمی تعلق کا ایک ذریعہ ہے، جس کو خود سر اور بندگان ہوس تسلیم نہیں کرتے، ان کے نزدیک یہ دونوں دو جداگانہ عمل ہیں۔

نقلاً و عقلاً ملکوت اللہ کا اثبات مولانا کے نزدیک علم ملکوت اللہ ایک اعلیٰ و افضل علم ہے اور یہ توحید اور دین اسلام کی جانب رہنمائی کرتا ہے اور انسانی عقل و ذہن کو طمانیت بخشتا ہے، قرآن کریم میں بھی اس کی طرف رہنمائی کی گئی ہے اور اسے توحید کا پہلا زینہ قرار دیا گیا ہے، اس علم سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ ہی زمین و آسمان کا حاکم ہے، کوئی شی اس کے حیطۂ اختیار و تصرف سے باہر نہیں ہے، کائنات اور اس کی تمام اشیا اس کے احکام کی پابند ہیں، اللہ کے تمام اعمال و افعال، رحمت، عدل و حکمت سے وابستہ ہیں، یہ تمام چیزیں اس امر کی متقاضی ہیں کہ زمین و آسمان میں صرف اللہ رب العزت کی زمزمہ خوانی ہو، قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

اَلَّذِیْ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ (البروج ۸۵:۹)

جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور وہ اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

سورۂ حدید میں ارشاد ربانی ہے:۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ، لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ

اللہ کی تسبیح کی ہے ہر اس چیز نے جو آسمان اور زمین میں ہے، وہی زبردست اور دانا ہے، اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی ملکیت ہے، وہ زندگی

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ، وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ، لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (الحدید:۵۷۔۲تا۶)

بخشتا ہے اور موت دیتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے، وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا، اس کے علم میں ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو، جو کام بھی تم کرتے ہو اسے وہ دیکھ رہا ہے، وہی آسمانوں اور زمین کی بادشاہت کا مالک ہے اور تمام معاملات فیصلے کے لیے اسی کی طرف رجوع کیے جاتے ہیں، وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ دلوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات مذکور ہیں، انہیں عقل اور شریعت دونوں ہی تسلیم کرتی ہیں، اس کی تفصیل کا موقع نہیں، اگر اللہ کی قدرت کاملہ اور عدل و انصاف سے اس کی مکمل وابستگی پر انسان کا پختہ ایمان ہو جائے تو اسے یہ ماننے میں قطعاً تامل نہیں ہوگا کہ آسمان و زمین میں وہی تنہا کارساز ہے اور کوئی چیز سرمو اس کے اقتدار اعلیٰ سے انحراف نہیں کر سکتی۔

ملکوت اللہ کے بارے میں غلط افکار اور باطل نظریات

اس باب میں دھوکا ان لوگوں کو ہوتا ہے جن کی نظر صرف ظواہر پر ہوتی ہے اور جو محض خواہشات نفس کی پیروی کرنے کی وجہ سے اوہام و خرافات کا شکار ہو جاتے ہیں، مجوس نے اس بنا پر دو خدا قرار دیے ہیں کہ دنیا میں آلام و مصائب، شرور و فتن اور مکروہات و معاصی کا بازار گرم ہے، اس کا چپہ چپہ فسق و فجور میں ڈوبا ہوا ہے، اہل خیر دبے سہے اور اہل شر دنیا میں دندناتے پھر رہے ہیں اسی طرح نصاریٰ کا خیال ہے کہ دنیا شیطان کے زیر اقتدار ہے، معتزلہ کی رائے میں تمام برائیاں بندوں کے اعمال کے سبب رونما ہوتی ہیں، لیکن ان

سے اگر یہ سوال کیا جائے کہ بچوں کو کیوں تکالیف دی جاتی ہیں تو اس پر وہ لاجواب اور ششدر رہ جاتے ہیں۔

اسی طرح ملاحدہ نے اللہ کے وجود کا انکار کیا ہے اور ان کا خیال ہے کہ فواحش و منکرات اللہ کے کمال قدرت، کمال علم اور کمال رحمت کے منافی ہیں، مولانا کے نزدیک یہ تصورات ان تمام باطل مذاہب کی کوتاہ بینی کا نتیجہ ہے، ان کے نزدیک ان شبہات کا ازالہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ پر پورا یقین رکھا جائے اور شک کے وقت توقف کیا جائے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (یونس:۱۰۔۳۶)

بے شک گمان حق کی ضرورت کو کچھ بھی پورا نہیں کرتا۔

یہ حقیقت اہل علم پر بالکل عیاں ہے کیوں کہ انسانی علوم تمام امور کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں، اس لیے ہمیں بدیہیات پر ایمان لانا چاہیے اور مخفی امور کے سلسلے میں سکوت اختیار کرنا چاہیے۔

معاصی کا سرچشمہ

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عقل اور تمیز و اختیار بخشا ہے تاکہ ان کی بدولت وہ اعلیٰ درجات حاصل کر سکے مگر اس کے سامنے خیر و شر دونوں راہیں ہوتی ہیں، اس کی وجہ سے اسے آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو صبر و شکر، عبودیت و انابت جیسے اوصاف سے متصف کیا ہے تاکہ وہ رحمت و مودت اور تزکیہ کے اعلیٰ درجات پر فائز ہو کر خدا کا مکمل فرماں بردار بندہ بن جائے، ارشاد ربانی ہے:۔

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ (الملک:۶۷۔۲)

جس نے موت و حیات کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (البلد:۹۰۔۸تا۱۰)

کیا ہم نے اسے دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے اور (نیکی و بدی کے) دونوں نمایاں راستے اسے نہیں دکھائے۔

غرض مولانا متعدد آیتوں کی بنا پر اس خیال کو باطل قرار دیتے ہیں کہ انسانی نفس برائیوں اور فواحش کی آماج گاہ ہے۔

آلام و آفات کا سبب دنیا میں رونما ہونے والے یا تاریخ کے صفحات میں ثبت قوموں کے واقعات کا ایک ظاہری پہلو ہوتا ہے اور ایک باطنی، ان کا ظاہری پہلو یہ ہے کہ ایک قوم دوسری قوم پر غالب ہوجاتی ہے اور مستقلاً لوگوں کو خیر و شر، خوش حالی و بدحالی اور عروج و زوال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

باطنی پہلو کے دو رخ ہیں، ایک حق اور دوسرا باطل، باطل یہ ہے کہ کچھ لوگوں کے خیال میں دنیا کے تمام واقعات بغیر کسی وجہ کے رونما ہوتے ہیں، اس کے پیچھے کوئی حکمت کارفرما نہیں ہوتی، گویا کہ تمام مخلوق بغیر کسی غرض و غایت کے شب دیجور، گہرے گڑھے اور خطرناک کنویں کی طرف رواں دواں ہے۔

اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ تمام واقعات ایک سچائی اور حقیقت سے جڑے ہوئے ہیں، یعنی تمام واقعات چند اسباب کی بنا پر نفع و نقصان یا عزت و ذلت کا باعث ہوتے ہیں اور کوئی واقعہ مشیت الٰہی کے بغیر رونما نہیں ہوتا، یہ اسباب تاریخ کی کتابوں میں نہیں بلکہ صحف سماوی توریت وغیرہ میں مذکور ہیں، خود قرآنی قصص میں قوموں کے عروج و زوال کے اسباب اور ان کے اعمال کے نتائج بیان کیے گئے ہیں، یہ واقعات آیندہ نسلوں کے لیے اپنے اندر عبرت و نصیحت سمیٹے ہوئے ہیں، سورۂ رعد میں ارشاد ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهِ مِنْ وَّالٍ (الرعد: ۱۳-۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی اور جب اللہ کسی قوم کی شامت لانے کا فیصلہ کرلے تو وہ پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی، نہ اللہ کے مقابلے میں ایسی قوم کا کوئی حامی و مددگار ہوسکتا ہے۔

سورۂ روم میں ارشاد ہے:۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الروم: ۳۰-۴۱)

خشکی اور تری میں فساد برپا ہوگیا ہے، لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے، تاکہ ان کو مزہ چکھائے ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آئیں۔

غرض قرآن کریم اور صحف سماوی میں قوموں کے احوال کے ذکر کے ساتھ ساتھ ان کے اسباب و نتائج کی طرف بھی اشارے کیے گئے ہیں اور بار بار یہ واضح کیا گیا ہے کہ برائیاں کرنے والے ذلت و خواری سے دوچار ہوتے ہیں اور نیکیاں کرنے والے عزت اور برکات الٰہی سے نوازے جاتے ہیں، مولانا کے نزدیک واقعات کے تجزیہ و تحلیل کا یہی صحیح طریقہ ہے، لیکن افسوس ہے کہ تاریخی واقعات کا تجزیہ ظاہری بنیادوں پر کیا جاتا ہے اور انھیں قوموں کے اخلاق و احوال سے مربوط نہیں کیا جاتا، اس لیے یہ بنیادی حقیقت لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتی ہے، جس کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی قوم اور اس کے افراد نیز اپنے آبا و اجداد کو ہر حال میں اعلیٰ و برتر قرار دیتا اور انہیں قابل فخر و لائق عزت اور عظیم خیال کرتا ہے اور اس کے برعکس فاتح اور حکمراں گروہ کو چھوڑ کر دوسرے اشخاص و افراد کو ان کی خوبیوں کے باوجود انہیں ذلیل و حقیر تصور کرتا ہے، مثلاً اہل ایران، اہل ہند اور اہل یورپ کبھی بھی اسلامی حکومت کی برتری کے حضور سرافگندہ نہیں ہوئے، اسی طرح مسلمانوں نے بھی انگریزی اور فرانسیسی سلطنت کی خصوصیت اور خوبیوں کو کبھی تسلیم نہیں کیا اور نہ ہی روس نے جاپان کے اخلاق کریمانہ کو کبھی سراہا، چنانچہ جب اللہ نے طالوت کو یہود پر فرماں روائی کے لیے منتخب کیا تو یہود نے کہا:۔

قَالُوْا أَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ، قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهُ مَنْ يَّشَاءُ، وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (البقرہ: ۲-۲۴۷)

بولے، ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حق دار ہے اس کے مقابلے میں ہم بادشاہی کے زیادہ مستحق ہیں، وہ تو کوئی بڑا مال دار آدمی نہیں ہے، نبی نے جواب دیا، اللہ نے تمہارے مقابلے میں اسی کو منتخب کیا ہے اور اس کو دماغی و جسمانی دونوں اہلیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہیں اور اللہ کو اختیار ہے کہ اپنا ملک جسے چاہے دے، اللہ بڑی وسعت رکھتا ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ملک وفرماں روائی اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس سے محروم کر دیتا ہے، کوئی اللہ کے اس اختیار کو سلب نہیں کر سکتا، یہاں "علیم" کی صفت اس بنا پر لائی گئی ہے کہ اللہ کے تمام فیصلے حق وانصاف پرمبنی ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اعمال کے نتائج فوراً ظہور پذیر نہیں ہوتے بلکہ بالتدریج ظہور پذیر ہوتے ہیں مگر مورخین کی کتابیں اسباب وعلل کے ذکر سے خالی ہوتی ہیں اگر وہ ان کا ذکر کرتے تو واقعات کے حقائق ونتائج کو سمجھنے میں دشواری پیش نہ آتی بلکہ ان کی روشنی میں دوسروں کو خیر وصلاح کی جانب راغب اور آمادہ کیا جا سکتا تھا۔

دراصل دنیا کے تمام امور اور قوموں کے تمام احوال وحوادث کے تئیں اگر یہ یقین کامل ہو جائے کہ ان کے پیچھے ایک مخفی قوت اور حکمت ربانی کارفرما ہوتی ہے تو ایسی صورت میں ہمارے لیے ملکوت اللہ کے اصول وضوابط کا تعین کرنا ضروری ہے، اس کے دو فائدے ہوں گے:۔

۱۔ ہم ان ہی کاموں کو کریں گے جو ہمارے لیے باعث خیر ہوں، ۲۔ ہم سیاست کے قواعد وقوانین کی تاسیس وتشکیل حکمت الہیہ کی بنیاد پر کریں گے جس کے نتیجے میں ایک ایسی ریاست کا قیام عمل میں آئے گا جو خداوند قدوس کی مرضی ومنشا کے مطابق ہوگی، اس کے بغیر علم تاریخ بے مقصد چیز ہوگی اور اس کے دو نقصانات سامنے آئیں گے۔

۱۔ ایک تو یہ کہ آباواجداد کے فضل وشرف کے قصائد پڑھے جائیں گے جو ہماری غفلت میں اضافے کا موجب اور ہمیں جدوجہد سے باز رکھیں گے، ۲۔ اس کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہوگا کہ ہم سایہ قوموں کے متعلق ہمارے دلوں میں غیظ وغضب اور بغض وحسد کے جذبات پروان چڑھیں گے، جیسا کہ آج یہود ونصاری ملت اسلامیہ کے بارے میں شدید ترین بغض وعناد میں مبتلا ہیں، حالانکہ سنجیدگی سے تاریخ کا جائزہ آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دینے میں ان کے لیے معاون ہوتا اور اس سے پتہ چلتا کہ ایک قوم کی جگہ دوسری قوم کو فاتح وحکمراں بنانے میں اللہ تعالی کی کیا خاص حکمت ومصلحت کارفرما ہوتی ہے، اپنا جائزہ لینے سے فاتح اور غالب اقوام کے سامنے اپنی فتح وکامرانی کے اسباب واہو جاتے ہیں اور وہ اپنی غیر نافع خصلتوں سے باز آجاتی ہیں، سورہ بقرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے کہ کیوں یہود سے نبوت اور آسمانی فرماں روائی چھین کر ان کے بھائی

اسماعیل کو دے دی گئی تھی۔

مذکورہ مباحث سے واضح ہے کہ نوع انسانی اللہ کی نعمت ورحمت کے زیر اثر ہے اور انسان کا اصلی کمال اور طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنے رب حقیقی سے قریب تر ہو، لیکن اس سے مکانی قربت مراد نہیں ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق:۵۰-۱۶)	اور ہم آدمی کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے احوال واخلاق کے اعتبار سے اللہ سے قریب ہے اور یہ دنیا اس کے لیے اللہ سے قریب ہونے کا زینہ ہے، قربت کی آخری حد حکمت وشفقت ہے۔

مادہ پرست انسان دنیا کے عجائب اور اللہ کی کرشمہ سازیوں کا جائزہ لے کر اپنے کو اس وسیع وعریض دنیا میں ایک کہتر شی تصور نہیں کرتا اور نہ ہی اس پہلو سے غور کرتا ہے کہ اسے دنیا میں ایک عظیم مقصد اور ایک پر حکمت مشیت کے تحت پیدا کیا گیا ہے۔

تہذیب وتمدن کی تربیت کی تکمیل خلافت کو مستلزم ہے

اللہ تعالی نے بنی نوع انسانی کی تکمیل کا سامان اپنی رحمتوں سے اسے ہم کنار کر کے کیا ہے، اس نے اس کی تربیت اور تہذیب وتمدن کی تکمیل کے گوناگوں اسباب بہم پہنچائے ہیں، اس تہذیب وتمدن ہی کا دوسرا نام خلافت ہے، جس کی ذمہ داری ایک قوم سے دوسری قوم کو منتقل ہوتی رہی، اسی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی نے بنی آدم کو اختیارات بھی دیے تاکہ وہ انہیں مختلف آزمائشی مراحل سے گزارے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَا اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَيْكُمْ وَ يَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (ہود:۱۱-۵۷)	اگر تم منہ پھیرتے ہو تو پھیر لو جو پیغام دے کر میں تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہ میں تم کو پہنچا چکا ہوں، اب میرا رب تمہاری جگہ دوسری قوم کو اٹھائے گا۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ (ابراہیم:۱۴-۱۹)	کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے آسمان وزمین کی تخلیق کو حق پر قائم کیا، وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے اور ایک نئی خلقت تمہاری جگہ لے آئے۔

خلافت کی امانت کا بار سنبھالنے کے لیے ایک امت کا انتخاب

اللہ تعالیٰ نے خلافت کی امانت کے بار کو اٹھانے کے لیے حضرت آدمؑ اور ان کی ذریت کا انتخاب کیا اور انہیں روئے زمین میں تمکن و اختیار بخشا، لیکن اس کا یہ وعدہ ظالموں سے نہیں ہے بلکہ عدل و انصاف کا شیوہ اختیار کرنے والوں سے ہے، اس نے ایک خطہ اور ایک قوم کو اپنے احکام و قوانین کے نفاذ کے لیے مخصوص کیا اور خلافت کو حریت کا منبع و مرکز قرار دیا اور اس کی بنیاد اختیارات پر رکھی اور لوگوں میں سے ہی ایک ایسے شخص کو حاکم قرار دیا جو تمدن و معاشرت کے مسایل سے زیادہ واقف اور سب میں زیادہ رحم دل ہو، وہ لوگوں سے وصول کردہ اموال میں خیانت نہ کرتا ہو بلکہ اسے معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کرے اور خود کو سوسائٹی کا ایک فرد تصور کرے، آنحضورﷺ کا ارشاد ہے کہ ''مال غنیمت میں حاکم کا پانچواں حصہ ہے'' جو بعد میں عام لوگوں ہی میں تقسیم ہو جاتا ہے، خلیفہ کو سب لوگوں میں بہتر مدبر، خدا سے ڈرنے والا اور عزم و ارادے میں بہت پختہ اور مستحکم ہونا چاہیے اور ارباب حل و عقد (اولوا الامر) سے معاملات میں مشورہ طلب کرتے رہنا چاہیے، احکام کے نفاذ میں انہیں اپنا معاون و مددگار بنانا چاہیے، مختصر یہ ہے کہ حاکم اپنے رفقا کا مرکز و مرجع ہو ان کے ساتھ اچھے سلوک اور عدل و انصاف کا معاملہ کرے اور خود اپنے کو ان ہی کا ایک فرد تصور کرے، اولوا الامر کی اطاعت عام لوگوں پر فرض ہے، کیوں کہ اسے مفاد عامہ اور عوام کے امور و مسایل سے بخوبی واقفیت ہوتی ہے لیکن ان کی اطاعت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عوام اپنے اختیارات اور آزادیٔ فکر سے محروم ہو جائیں البتہ چوں کہ اسلامی حکومت کے تمام مسئولین اپنے افراد اور معاشرے کے خیر خواہ ہوتے ہیں، اس لیے باشندگان ریاست کا فرض ہے کہ ریاست کے تمام ذمہ داروں کی اطاعت کریں۔

خلافت کیسے سلب ہو جاتی ہے

جب عوام کے اندر فتنہ و فساد اور فحاشی بہت بڑھ جاتی ہے اور وہ اپنی آرا اور خواہشات نفس کے پیچھے دوڑنے لگتے ہیں اور کسی انصاف پسند اور عادل قاضی و حاکم پر اعتماد کرنے کے بجائے جبر و قہر ڈھانے والوں کے ناصر و مددگار ہو جاتے اور انہیں اپنا فرماں روا بنا لیتے ہیں تو ملک و قوم کے حالات بد سے بدتر ہو جاتے ہیں اور پورا معاشرہ فتنہ و فساد سے معمور ہو جاتا ہے، جیسا کہ آنحضورﷺ کا ارشاد ہے:۔

انما اعمالکم عمالکم — حقیقت یہ ہے کہ تمہارے اعمال ہی تمہارے فرماں روا ہیں۔

مفسدین، اشرار اور ظالموں کا زور و اثر بہت بڑھ جانے کی وجہ سے عوام و حکام دونوں کی آزادیٔ رائے ختم ہو جاتی ہے اور خلافت کی چولیں ہل جاتی ہیں جس کا دارومدار عدل و انصاف اور حریت و آزادی پر ہوتا ہے اور جب حالات اس قدر بدتر ہو جاتے ہیں تب خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو جاتی ہے، گو خلافت کے مقابلے میں ملوکیت ایک بے حقیقت چیز ہے تاہم فوضویت سے وہ بہر حال بہتر ہے، کیوں کہ بعض امیر اور فرماں روا اپنے تمام تر ظلم و جور کے باوجود دنیا میں پھیلے ہوئے فتنہ و فساد سے لوگوں کو باز رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حکما اور دانش وروں نے ان حالات و کیفیات میں ایک ظالم و جابر بادشاہ پر رضامند ہو جانے کو گوارا کر لیا ہے اور اس کی اطاعت میں قباحت و کراہت محسوس نہیں کی ہے اور اسی کا اللہ اور اللہ کے رسول نے حکم بھی دیا ہے، مولانا کے نزدیک ایک بے راہ رو امت کے اندر بھی صلحا کا وجود ممکن ہے جو معاشرے کی فلاح کے لیے فکرمند اور بے چین رہتے ہیں۔

امام اور امیر کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر ہر معاملہ کی تفصیل اور جزئیات سے واقف ہو تاہم اسے سب سے زیادہ حق شناس اور صلح کن ہونا چاہیے، وہ عقل مجرد کے مانند ہوتا ہے جسے حواس کے بغیر جزئیات کا علم نہیں ہوتا لیکن حواس کو کلیات امور کا اصلاً علم نہیں ہوتا ہے، پس عقل ہی درحقیقت اصل رہنما، حاکم و عالم ہے۔

پہلے بتایا جا چکا ہے امام کے لیے سب سے زیادہ خدا ترس ہونا لازمی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات: ۴۹-۱۳) — درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اور جو شخص سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہے وہ اشیا و معاملات کے حقایق سے بھی زیادہ باخبر ہوتا ہے، ارشاد ربانی ہے:۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر: ۳۵-۲۸) — حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔

امام اپنی قوم و جماعت پر اپنی فضیلت کا مدعی نہیں ہوتا بلکہ خود کو ایک ادنی اور حقیر ترین فرد سمجھتا ہے لیکن اللہ تعالی پر اعتماد و توکل کی وجہ سے وہ عزم و ارادے میں سب سے پکا اور مستحکم ہوتا ہے اور حق و انصاف کے لیے جوش و حمیت اور تائید و نصرت میں اس کے یہاں تذبذب و تزلزل کا کوئی گزر نہیں ہوتا، اس طرح کا آدمی اپنی انکساری اور خشیت الٰہی کی بنا پر زمام اقتدار کو سنبھالنے سے دور رہنا چاہتا ہے لیکن جب معاملات کی ذمہ داری اسے سونپ دی جاتی ہے تو وہ اپنی تمام تر کوششیں قیام عدل پر صرف کرتا ہے اور عوام سے حسن ظن کی بنا پر مشورہ طلب کرتا ہے، کیوں کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔

وَ فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ (یوسف:۱۲-۷۶)

اور ایک علم رکھنے والا ایسا ہے جو ہر صاحب علم سے بالاتر ہے۔

ان اوصاف و خصوصیات کے حامل امیر پر جب حق اچھی طرح آشکارا ہو جاتا ہے تو اس کا ساتھ دینے سے اسے کوئی چیز روک نہیں سکتی لیکن جب امرا اور والیان ملک میں تقوی باقی نہیں رہتا تو ان میں اختلافات رونما ہونے لگتے ہیں، ہر شخص مستبد بالرائے ہو جاتا ہے اور دوسرے کی رائے کی کوئی اہمیت اس کے نزدیک نہیں رہ جاتی اور وہ اپنے ہی کو امارت و سیادت کا اہل سمجھتا ہے، ظاہر ہے ایسا شخص امارت و ریاست کے لیے مفید نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اللہ سے ڈرنے والے افضل ترین لوگ سیادت و قیادت کی ذمہ داریوں کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔

خلافت کی بنیاد معاہدے پر ہوتی ہے

خلافت کی غرض و غایت یہ ہے کہ سارے لوگ ایک مرکز سے پیوستہ رہیں اور اس کے زیر سایہ ان کے اجسام میں ایک ہی دل دھڑکتا ہو، ان میں یک جہتی اور بے مثال ہم آہنگی ہو اور ان کے مابین اختلافات اور جھگڑے معدوم ہوں کیوں کہ ایسے ہی خوش گوار ماحول میں خوبیاں اور نیکیاں برگ و بار لاتی ہیں، باہمی رشتے مضبوط ہوتے ہیں، حریت و آزادی کا جذبہ نشوونما پاتا ہے، لوگوں کے خیالات و احساسات کا دائرہ وسیع ہوتا ہے، ان کی اخلاقی حالت دن بدن ترقی کرتی ہے اور ان کا وجود تمام مخلوق کے لیے رحمت اور پوری سرزمین کے لیے برکت و سعادت بن جاتا ہے۔

پوری امت کے لیے یہ عہد کرنا لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے میں افضل ترین شخص کے

جاری کردہ احکام کی اطاعت کرے گی، کیوں کہ دراصل یہی حقیقی اسلام ہے کہ اللہ اور اس کی نازل کردہ شریعت کی پیروی کی جائے اور "اولوالامر" کے حکموں کو بجالایا جائے۔

آگے اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ کمزور اور پس ماندہ لوگوں پر نظر رکھی جائے اور شریعت نے جس کو جو حق دیا ہے اسے ادا کیا جائے، انسان کو اس دنیا میں آزمائش کے لیے پیدا کیا گیا ہے ارشاد باری ہے:۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ (الملک:۶۷-۲)

جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر کرنے والا بھی۔

انسانوں کے سامنے خیر و شر کے راستے واکر دیے گئے ہیں لیکن انہیں اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ جس راستے کو چاہیں اپنے لیے منتخب کریں، اس طرح کی آزمائش کے بے شمار واقعات اور مثالیں آسمانی صحیفوں اور قرآن کریم میں مذکور ہیں، مثلاً حضرت آدم و حوا کی آزمائش کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح ہے۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ (الاعراف:۷-۲۷)

اے بنی آدم ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں پھر اسی طرح فتنے میں مبتلا کر دے جس طرح تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا تھا۔

اسی طرح نوح کی آزمائش ان کے بیٹے کے توسط سے ہوئی، وہ جب ڈوبنے لگا تو آپ نے شفقت پدری سے مجبور ہو کر اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ یہ میرا اپنا خون ہے اسے بچالے، اس پر اللہ کی جانب سے حکم ہوا۔

قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (ہود:۱۱-۴۶)

ارشاد ہوا، اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے، وہ تو ایک بگڑا ہوا کام ہے، لہذا تو اس بات کی مجھ سے درخواست نہ کر جس کی حقیقت تو نہیں جانتا۔

اسی طرح دیگر انبیاے کرام کی آزمائشوں کا ذکر بھی آگے آیا ہے۔

غیر مبدل سنت الٰہی کے مطابق ملکوت اللہ کا جاری ہونا

مخلوق کے درمیان اللہ کی فرماں روائی ہمیشہ ایک ہی انداز سے جاری وساری ہے اور ازل ہی سے اسی سنت کے مطابق اقوام کے ساتھ معاملات پیش آتے رہے ہیں، سورہ انعام میں ارشاد ہے۔

قُلْ یٰا قَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَکُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ

(الانعام: ۶۔۱۳۵)

اے نبی کہہ دو! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو اور میں بھی اپنی جگہ عمل کر رہا ہوں، عن قریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ انجام کار کس کے حق میں بہتر ہوتا ہے بہر حال یہ حقیقت ہے کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ آخرت کی کامرانی اور زمین کی وراثت محض متقی بندوں کے لیے ہے، ظالموں اور مشرکوں کو اللہ تعالیٰ تباہ و برباد کر دیتا ہے، اسی قانونِ الٰہی کا ذکر زبور میں بھی ہے اور یہ سنت اللہ کے عدل: اس کی قدرت اور اس کے علم کے عین مطابق ہے، اللہ کی تمام صفات دائمی ہیں، اس میں کسی طرح کا تغیر و حدوث ناممکن ہے جیسا کہ ارشاد ہے:۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا

(فاطر: ۳۵۔۴۳)

اور تم کبھی نہ دیکھو گے کہ اللہ کی سنت کو اس کے مقرر راستے سے کوئی طاقت پھیر سکتی ہے۔

بندوں کے ساتھ اللہ کا معاملہ اس کی حکمت کے عین مطابق ہوتا ہے اور اسی کو اس کی سنت سے موسوم کیا گیا ہے، اللہ کی ایک سنت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ کسی بدکردار قوم کے فعل پر فوراً گرفت نہیں کرتا، قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

وَرَبُّکَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ یُؤَاخِذُهُمْ بِمَا کَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ یَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا

(الکہف: ۱۸۔۵۸)

تیرا رب بڑا درگزر کرنے والا اور رحم والا ہے، وہ ان کے کرتوتوں پر انہیں پکڑنا چاہتا تو جلد ہی عذاب بھیج دیتا مگر ان کے لیے وعدے کا ایک وقت مقرر ہے اور اس سے بچ کر بھاگ نکلنے کی یہ کوئی راہ نہ پائیں گے۔

اللہ کی دوسری سنت یہ ہے کہ جب انسان اللہ کی عطا کردہ نعمتوں میں مگن ہو کر اللہ کی نصیحتوں کو بھول جاتا ہے تو اللہ اسے اچانک دبوچ لیتا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُکِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ اَبْوَابَ کُلِّ شَیْءٍ حَتّٰی اِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(انعام: ۶۔۴۴ و ۴۵)

پس جب انہوں نے بھلا دیا تو ہم نے ہر طرح کی خوش حالیوں کے دروازے ان کے لیے کھول دیے، یہاں تک کہ جب وہ ان بخششوں میں جو انہیں عطا کی گئی تھیں خوب مگن ہو گئے تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا اور اب حال یہ تھا کہ وہ ہر خیر سے مایوس تھے، اس طرح ان لوگوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی جنھوں نے ظلم کیا تھا اور شکر ہے اللہ رب العالمین کے لیے۔

اللہ کی تیسری سنت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی جہالت و نادانی کے سبب کسی برائی میں ملوث ہو جاتا ہے لیکن احساس ہوتے ہی فوراً اللہ کے حضور توبہ و اصلاح کی طرف مائل ہو جاتا ہے تو اللہ ایسے شخص کو معاف فرما دیتا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

وَاِذَا جَآءَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ، اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

(الانعام: ۶۔۵۴)

جب وہ لوگ تمہارے پاس آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہو تم پر سلامتی ہے، تمہارے رب نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو، پھر اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لے تو وہ اسے معاف کر دیتا ہے اور نرمی سے کام لیتا ہے۔

اللہ کی ایک سنت یہ رہی ہے کہ دنیا کے متوالوں اور طلب گاروں کو اس کی سرخ روئیوں سے نوازا جاتا ہے، ارشاد باری ہے:۔

مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَیْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِیْهَا وَهُمْ فِیْهَا لَا یُبْخَسُوْنَ

(ہود: ۱۱۔۱۵)

جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کے طالب ہوتے ہیں، ان کی کارگزاری کا سارا پھل ہم یہیں ان کو دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔

اور اس کی اس سنت کا کئی بار ذکر آچکا ہے کہ اپنے تمام بندوں کو ابتلا و آزمائش کے مختلف مراحل سے گزارتا ہے، بعض آزمائشیں صرف اہل ایمان سے مخصوص ہیں، ارشاد ربانی ہے:۔

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ، وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ (العنکبوت:۲۹۔۲)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس وہ یہ کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا، حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں، اللہ کو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون؟۔

سنن الٰہی کے سلسلے میں مندرجہ ذیل تین امور کو مد نظر رکھنا چاہیے:۔

۱۔ سنت الٰہی کا تعلق اس کی صفات کاملہ سے ہوتا ہے، وہ رحمت، عدل اور علم کی صفات سے مربوط ہوتی ہے، اگر اس روشنی میں دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کی کوئی سنت حکمت سے خالی نہیں دکھائی دے گی۔

۲۔ گذشتہ قوموں کے ساتھ پیش آنے والے ان حالات و واقعات کے جائزے سے بھی سنت الٰہی کا علم ہوتا ہے جن کا ذکر آسمانی صحیفوں اور قرآن کریم میں آیا ہے اور جن کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

۳۔ آسمانی صحیفوں میں کیے گئے اللہ کے وعدوں سے بھی اس کی سنت کی شناخت ہوسکتی ہے جو مختلف امور میں نظر آتی ہے اور اسی اعتبار سے اسے اللہ کی سنت میں شامل کیا گیا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ (المائدہ:۵۔۶۶)

اور اگر انہوں نے تورات اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان کے رب کی طرف سے ان کی جانب اتاری گئی تھیں تو ان کے لیے اوپر سے رزق برستا اور نیچے سے ابلتا۔

مولانا نے قرآن کریم کی روشنی میں وہ اصول وضع کئے ہیں جن کے تحت اللہ کے قوانین و احکام انسانی امور میں نافذ و صادر ہوتے ہیں، اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ انسان جس طرح کے

اعمال سیۂ کا مرتکب ہوتا ہے اسی طرح کے عذاب سے بھی اسے دوچار کیا جاتا ہے، اللہ کا ارشاد ہے:۔

فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ (الصف:۶۱۔۵)

پھر جب انہوں نے ٹیڑھ اختیار کی تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کردیا۔

اور اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ، خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (البقرہ:۲۔۶)

جن لوگوں نے انکار کیا ان کے لیے یکساں ہے خواہ انہیں تم خبردار کرو یا نہ کرو، بہرحال وہ ماننے والے نہیں ہیں، اللہ نے ان کے دلوں اور ان کی سماعت و بصارت پر مہر لگادی ہے، نیز ان کی نگاہوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

اس آیت کی توضیح میں مولانا فراہی رقم طراز ہیں کہ دراصل کفر ایک طرح کا حجاب ہے، اللہ کی ظاہر و باہر نعمتوں کے باوجود اگر کوئی شخص ان کا منکر ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ دانستہ طور سے تغافل برتتا ہے، اندھا اور بہرا بن جاتا اور ناشکروں کی صف میں شامل ہوجاتا ہے، اس کی بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کے بدترین عذاب کا مستحق ہوجاتا ہے، اس کا ارشاد ہے:۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً، يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ (المائدہ:۵۔۱۳)

پھر اپنے وعدوں کی خلاف ورزی کے سبب ہم نے ان پر لعنت بھیجی اور ان کے دل سخت کردیے یہ لوگ کلمات کو اپنی جگہ سے الٹ پھیر کردیتے ہیں اور انہیں جو نصیحت کی گئی تھی وہ اس کا ایک حصہ بھول گئے۔

مولانا فراہی قرآنی شواہد و نظائر بیان کرکے بتاتے ہیں کہ برائیوں کے مثل سزائیں دینے کی متعدد مثالیں موجود ہیں:۔

فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (البقرہ:۲۔۸۵)

پس تم میں سے جو ایسا کرے اس کی سزا دنیاوی زندگی میں رسوائی کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے؟۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَۃً اَنْعَمَھَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الانفال:۸۔۵۳)

یہ اللہ کی اس سنت کے مطابق ہوا کہ وہ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم اپنے خود طرز عمل کو نہیں بدل دیتی۔

اسی مفہوم کو ایک دوسری جگہ اس طرح پیش کیا گیا ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الرعد:۱۳۔۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔

قرآن کریم کے بیان کردہ متعدد واقعات اور بے شمار آیات سے دینی اور دنیوی احوال کے مابین تعلق اور مطابقت کا پتہ چلتا ہے، آگے وہ آیات نقل کرتے ہیں جن میں دنیا میں پیش آنے والے آلام ومصائب کو دفع کرنے کی صورتوں اور تدبیروں کا ذکر ہے، اس سلسلے میں صبر اور نماز کا ذکر خاص طور پر آیا ہے، چنانچہ جب کسی قوم سے اہل ایمان نبرد آزما ہوں تو فرمایا:۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا (ای اصبروا) وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (الانفال:۸:۴۵و۴۶)

اے لوگو! جو ایمان لے آئے ہو، جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر سے کام لو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

آیت بالا میں صبر اور کثرت اذکار واوراد کو فلاح کا ضامن بتایا گیا، یہی مفہوم دوسرے مقام پر اس طرح مذکور ہے:۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (البقرہ:۲۔۱۵۳)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز سے مدد لو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

صبر کے باب میں اللہ کا ارشاد ہے:۔

بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِھِمْ ھٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُسَوِّمِیْنَ (آل عمران:۳۔۱۲۵)

بیشک اگر تم صبر کرو اور خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو تو جس آن دشمن تمہارے اوپر چڑھ آئیں گے، اسی آن تمہارا رب پانچ ہزار صاحب نشان فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔

صبر کا بلند درجہ توکل اور اعتماد علی اللہ سے حاصل ہوتا ہے، جب بندہ تمام چیزوں سے قطع تعلق کر کے صرف اللہ کا ہو جاتا ہے تو اللہ اس کا معاون بن جاتا ہے اور غیب سے اس کی تائید کرتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:۔

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ، فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْھُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ ذُوْفَضْلٍ عَظِیْمٍ، اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَہٗ فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (آل عمران:۳۔۱۷۳تا۱۷۵)

جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوگئی ہیں تو ان سے ڈرو تو یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے، آخرکار وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹ آئے، ان کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچا اور اللہ کی رضا پر چلنے کا شرف بھی انہیں حاصل ہوگیا اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے اب تمہیں معلوم ہوگیا کہ وہ دراصل شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے خواہ مخواہ ڈرا رہا تھا، لہذا آئندہ تم ان سے نہ ڈرنا مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحب ایمان ہو۔

"اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ" کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ اللہ پر اعتماد کرتے ہیں وہ دنیا کی کسی شیطانی قوت سے خوف نہیں کھاتے، خشیت الٰہی انسان کو تمام دنیاوی قوتوں سے بے پروا کر دیتی ہے:۔

قرآن کریم اور احادیث نبوی میں کئی جگہ فتنہ وفساد اور مصائب ومشکلات میں نماز اور صبر سے مدد چاہنے کی تاکید کی گئی ہے، کئی آیتوں میں صبر وصلوۃ کا ذکر ساتھ ساتھ ہوا ہے، ملک و قوم کے تحفظ کے لیے فوجیوں کو صبر ومرابطت کی تلقین کرتے ہوئے کہا گیا:۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (آل عمران:۳۔۲۰۰)

اے ایمان والو! صبر سے کام لو، استقامت کا مظاہرہ کرو، مورچہ بند رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیابی حاصل کر سکو۔

شریعت اسلامی کی بنیاد حکمت پر رکھی گئی ہے لیکن اگر کوئی بات بظاہر عقلی اعتبار سے عدل ورحمت کے منافی معلوم ہو تو جلد بازی میں کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے صبر وتوقف سے کام لینا چاہیے، جیسا کہ حضرت موسیٰ کے واقعہ میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے رفیق کے طرز عمل پر صبر و سکوت سے کام نہیں لیا۔

شریعت جس عقلی صبر کی متقاضی ہے اس کا تمام تر انحصار اس ایمان کلی پر ہے جو خداوند قدوس کے عدل وانصاف سے جڑا ہوا ہے اور دراصل اللہ کے عدل اور اس کی رحمت وحکمت پر ایمان ہی کلی عقل ہے جس پر عقلی صبر کا انحصار ہے اور جزئی عقل اسی عقل کلی یعنی ایمان کی پابند ہے۔

جس طرح حوادث وواقعات میں اصل ایمان کا مظاہرہ ہے اسی طرح اسلامی شریعت میں بھی اسی کی اصل اہمیت ہے اور چونکہ شریعت اسلامی کی بنیاد انسانی مصلحتوں پر قائم ہے، اس لیے وہ انسانی عقل وفہم سے ماوراء نہیں ہوسکتی، اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلامی کے تمام پہلوؤں کو خوب کھول کھول کر بیان کیا ہے تاہم اگر اس کے کسی پہلو کی حکمت ہم سے پوشیدہ رہ جائے تو اسے ہم کو علم ربانی کے حوالے کردینا چاہیے اور صدق دل سے یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ یہ اللہ کے عدل و انصاف اور اس کی رحمت کے خلاف نہیں ہے۔

اس بارے میں اشاعرہ کو شدید مغالطہ ہوا اور وہ یہ کہنے کی جسارت کر بیٹھے کہ اللہ تعالیٰ مصلحتوں اور حکمتوں کا خیال ولحاظ نہیں کرتا بلکہ اپنی مرضی کے مطابق سب کچھ کرتا ہے، یہ بات درست ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے لیکن اس کے تمام افعال واعمال بندوں کی مصلحت وحکمت اور رحمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو بڑے سخت ترین اور اذیت رساں حالات کا سامنا کرنا پڑا مگر انہوں نے صبر وضبط کا دامن نہیں چھوڑا بلکہ جب اپنی قوم کی اصلاح سے ناامید ہوگئے تو انہوں نے اس سرزمین کو چھوڑ دیا اور ہجرت فرمائی اور فتح وظفر کے بعد ہی پھر اس سرزمین میں واپس آئے، چنانچہ حضرت ابراہیمؑ ہجرت کرنے کے بعد اپنی قوم کے پاس اس وقت تشریف لائے جب ان کے بھتیجے حضرت لوطؑ نے ان کی قوم پر حملہ کرکے انہیں شکست دے دی تھی، خود آنحضور ﷺ بھی فتح مکہ کے بعد اپنی قوم کے پاس آئے تھے،

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ نبی جس شہر سے ہجرت کرتا ہے دوبارہ اس میں قیام نہیں کرتا، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے ہجرت کے بعد جس شہر کو اپنی قیام گاہ قرار دیا تھا وہیں پر قیام پذیر رہے، یہی صورت حال ہمارے نبی کریم ﷺ کو بھی پیش آئی۔

قرآن کریم کی یہ شہادت کسی تفصیل وتوضیح کی محتاج نہیں کہ انبیا ورسل کی ہجرت کے بعد ان کی قوموں کو مختلف شدائد ومصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے، جیسا کہ حضرت لوطؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی اقوام کے بارے میں قرآن کریم میں مذکور ہے کہ ان کو گوناگوں آفتوں اور تباہیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

رسول کی ہجرت قوم سے برأت اور جنگ و جہاد کا اعلان ہوتا ہے، قرآن کریم میں ہجرت کے بعد انبیا کے جو اقوال مذکور ہیں ان سے یہی مترشح ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے اصحاب کرام نے فرمایا:-

إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ إِلَّا قَوْلَ إِبْرٰهِيْمَ لِأَبِيْهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ، رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

(الممتحنہ: ۶۰_۴و۵)

ہم تم سے اور اللہ کے سوا جنہیں تم پوجتے ہو ان سب سے بری ہیں، ہم نے تمہارا انکار کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے بغض اور عداوت ہوگئی تاآنکہ تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان لاؤ، مگر ابراہیم کی اپنے باپ (چچا) سے اتنی بات کہ میں آپ کے لیے ضرور مغفرت مانگوں گا، اگرچہ میں آپ کے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں رکھتا، خداوندا! ہم نے تیرے اوپر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف رجوع ہوئے اور تیری ہی طرف پلٹنا ہے، پروردگار! تو ہمیں کفار کی آزمائش میں نہ ڈال اور ہمیں بخش دے، ہمارے پروردگار! یقینا تو ہی بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔

یہ آیت غور طلب ہے، اس میں بیان کردہ مضمون دوسری آیتوں میں بالاختصار مذکور ہے

مِروآیت کا یہ فقرہ "اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْکُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ" برأت وانقطاع اور بیزاری و عداوت وغیرہ کا متضمن ہے جو بلاغت کا ایک اچھوتا اسلوب ہے، کیوں کہ شریف اور مہذب لوگ برہمی اور خفگی کا عامیانہ انداز اختیار نہیں کرتے، یہ ایک طرح کا اعلان جنگ ہے جیسا کہ ابراہیمؑ نے فرمایا:۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ‎﴿﴾‏ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ‎﴿﴾‏ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ

(الزخرف: ۴۳_۲۶ تا ۲۸)

اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ (چچا) اور اپنی قوم سے کہا جنہیں تم پوجتے ہو ان سے میں بالکل بری ہوں سوائے اپنے رب کے جس نے مجھے پیدا کیا، یقیناً وہی مجھے سیدھا راستہ دکھائے گا اور اللہ نے اس (اعلان توحید) کو ابراہیم کی نسل میں باقی رہنے والی بات قرار دیا، تاکہ وہ (اللہ کی طرف) رجوع کریں۔

حضرت ابراہیمؑ کی قوم نے جب انہیں قتل کرنے یا جلا دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے ہجرت فرمائی تھی۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (العنکبوت: ۲۹_۲۶)

پس لوط نے اس کی تصدیق کی اور ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں، وہ زبردست ہے اور حکیم ہے۔

اسی طرح سورہ کافرون میں آنحضورﷺ کی کفار مکہ سے برأت اور مکہ سے ہجرت کا اعلان ہے۔ یہ اللہ کی سنت رہی ہے کہ وہ مجبور قوم کو عذاب دیتا ہے یا وہ قوم ایمان لے آتی ہے، اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہجرت کرنے والے اہل ایمان کی مدد کرے گا اور انہیں دنیا میں کامیابی عطا کرے گا، ہجرت سے قبل نبی اور ان کے ساتھیوں کو دشوار گزار حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جن میں انہیں صبر و تحمل کی تلقین کی گئی ہے، اس کے نتیجے میں وہ نصرتِ خداوندی کے مستحق ہوتے ہیں، جیسا کہ سورہ نحل میں ارشاد ہے:۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

(النحل: ۱۶_۴۱)

اور جنہوں نے ظلم کا نشانہ بننے کے بعد اللہ کے لیے ہجرت کی، انھیں ہم دنیا ہی میں ضرور اچھا مقام دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے، اگر وہ جانتے ہوتے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(النحل: ۱۶_۱۱۰)

پھر آپ کا پروردگار یقیناً ان لوگوں کے لیے جنھوں نے آزمائش میں مبتلا ہونے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر سے کام لیا، ان باتوں کے بعد آپ کا رب یقیناً بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

سورہ حج میں ارشاد ہے:۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ

(الحج: ۲۲_۳۹)

ان لوگوں کو (جنگ کی) اجازت دے دی گئی جن کے خلاف جنگ کی جائے کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔

آگے ارشاد ہے:۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ، لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ، ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ

(الحج: ۲۲_۵۸ تا ۶۰)

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر وہ قتل کردیے گئے یا مر گئے تو اللہ ان کو اچھا رزق دے گا اور یقیناً اللہ ہی بہترین رازق ہے، وہ انہیں ایسی جگہ داخل کرے گا جس سے وہ راضی ہوں گے بے شک اللہ علیم و حلیم ہے، یہ تو ہے ان کا انجام اور جو کوئی بدلہ لے ویسا ہی جیسا اس کے ساتھ کیا گیا اور پھر اس پر زیادتی کی گئی تو اللہ اس کی مدد ضرور کرے گا بے شک اللہ معاف کرنے والا اور درگزر کرنے والا ہے۔

مذکورہ تمام آیات میں یہ مفہوم واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مہاجرین کی مدد کرتا ہے گو ابتدا میں انہیں آلام و مصائب کے ہفت خواں طے کرنے پڑتے ہیں لیکن بالآخر تائید الٰہی اور نصرتِ غیبی سے انھیں فتح و ظفر اور عزت و وقار نصیب ہوتا ہے۔

فاضل مرتب کو مولانا فراہی کے مسودات میں ملکوت اللہ سے متعلق جو متفرق تحریریں اور

نوٹ ملے تھے ان سب کو مناسب موقع سے انہوں نے حواشی میں درج کر دیے ہیں۔

ایک جگہ حاشیے میں مولانا تاریخ کو اخلاقی پس منظر میں دیکھے جانے پر زور دیتے ہوئے بتاتے ہیں کہ دنیا میں رونما ہونے والے تمام انقلابات قدرت الٰہی اور نصرت خداوندی کا نتیجہ ہوتے ہیں مگر کتب مقدمہ اور تاریخ کی عام کتابوں میں یہی فرق ہے، صحف خداوندی سے واضح ہوتا ہے کہ قومیں اپنے اعمال و اخلاق کی وجہ سے عروج کی منزلیں طے کرتی ہیں یا انحطاط کے گڑھے میں جا گرتی ہیں۔

ایک جگہ مولانا نے اسلام اور تمدن سے بحث کرتے ہوئے بتایا کہ اسلام تمدن سے عظیم اور بالاتر شئی ہے، وہ تمدن کو نکھارتا اور سنوارتا ہے، اگر تمدن اسلام کے ماتحت ہو تو وہ ایک اعلا و افضل شئی ہے لیکن اگر وہ دین پر حاوی ہو جائے تو یہ جہالت و بدویت سے بڑھ کر خطرناک ہو جاتا ہے۔ خاتم النبیین ﷺ اصلاح تمدن کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔

مولانا نے ایک جگہ حاشیہ میں سلطنت کی دو قسمیں بتائی ہیں، ایک کو وہ آزاد ریاست کے نام سے موسوم کرتے ہیں جس کی بنیاد شورائی نظام پر ہوتی ہے، اس میں نہ امارت موروثی ہوتی ہے اور نہ حاکم وقت کے محافظ، پاسباں اور باڈی گارڈ ہوتے ہیں، اسے کچھ دینے اور روک لینے کے اختیارات نہیں ہوتے، بہ جز اس کے کہ کوئی قومی ضرورت اس کی مقتضی ہو، ایسی سلطنت میں عوام کو آزادی، تحفظ اور عزت و منزلت حاصل ہوتی ہے، جس کا بہترین نمونہ حضرت عمرؓ کی خلافت ہے۔

دوسری محکوم ریاست ہے، جس میں عوام بادشاہوں اور شاہی خاندانوں کے محکوم ہوتے ہیں، فرعون اور مغل فرماں روا اکبر کی حکومت اسی طرز کی تھی، انہیں قومی خزانہ لٹانے اور کسی چیز کو روک دینے کا کلی اختیار حاصل تھا، اس طرح کی حکومت میں بادشاہ اور رعایا کا ربط و تعلق باقی نہیں رہتا، عوام عزت و شرافت سے محروم رہتے ہیں، جس طرح انسان کا نفس اس کے اعضا و جوارح کو جس طرح چاہتا ہے گھماتا اور موڑتا رہتا ہے، اسی طرح ان کی باگ بادشاہ کے ہاتھوں میں ہوتی ہے، وہ انہیں جیسے چاہتا ہے پھیرتا رہتا ہے، ایک جگہ انہوں نے اشتراکیت کو نظام معاشرت کو درہم برہم کر دینے والا فتنہ قرار دیا ہے اور اس پر افسوس ظاہر کیا ہے کہ یہ سرخ فتنہ بڑھتا اور پھیلتا جا رہا ہے۔

ہم ابتدا ہی میں بتا چکے ہیں کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر تشنہ اور مولانا کی دوسری تصنیفات کی طرح ناتمام ہے دراصل وہ نئے انداز اور قرآن کریم کی روشنی میں اسلامی سیاست و ریاست کا ایک مکمل خاکہ پیش کرنے کے آرزومند تھے، کیوں کہ وہ دنیا کے تمام علوم و معارف کا منبع و مصدر قرآن کریم کو سمجھتے تھے، اسی لیے ہر علم کو قرآن کے تابع بنانا چاہتے تھے، اس کتاب کے تمام مباحث قرآنی استدلال و استشہاد سے مربوط ہیں، اس کا لب لباب یہ ہے کہ حاکمیت خداوندی کے بغیر علم سیاسیات بے معنی چیز ہے ع

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

ان کے نزدیک ایک اعلیٰ و برتر اور نافع و مستحکم حکومت صرف قرآنیات کی بنیاد ہی پر قائم کی جا سکتی ہے، یہ کتاب سیاسیات اور قرآنیات کے طلبہ کے لیے بہت مفید ہے لیکن اسے سمجھنے کے لیے قرآنیات پر نظر اور اس سے مناسبت ضروری ہے، کیوں کہ مولانا کی فکر و نظر کا سرچشمہ قرآن کریم تھا۔

بیان ملکیت اور دیگر تفصیلات بابت ''معارف'' اعظم گڑھ

(مطابق فارم نمبر ۴ و قاعدہ نمبر ۸)

مقام اشاعت: دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ

پتہ: دارالمصنفین، اعظم گڑھ

وقفہ اشاعت: ماہانہ

پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر: ضیاء الدین اصلاحی

قومیت: ہندوستانی

پتہ: دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ

ملکیت: دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ

میں ضیاء الدین اصلاحی اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین کے مطابق درست ہیں۔

ضیاء الدین اصلاحی

سکریٹری دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ

مملکت آل مسیب العُقیلیہ کی تاریخ کے چند اوراق

از:۔ احمد بن محارب الظفیری

مترجمہ:۔ ڈاکٹر احمد نسیم صدیقی ☆

عربوں کی تاریخ میں قبیلہ بنی عُقَیل ایک مشہور ومعروف قبیلہ رہا ہے، مشہور مؤرخ قاضی عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون (وفات ۱۴۰۵ء) نے اپنی تصنیف کتاب " العبر و دیوان المبتداء والخبر فی أیام العرب والعجم والبربر ومن عاصرهم من ذوی السلطان الأكبر" کی چوتھی جلد (صفحہ ۲۵۴ سے صفحہ ۲۷۱ تک) میں قبیلہ بنی عُقَیل کا ذکر کافی تفصیل سے کیا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ اس قبیلہ کا سلسلۂ نسب کعب بن ربیعه بن عامر بن صعصعه بن معاویه بن بکر بن هوازن بن منصور بن عکرمه بن خصفه بن قیس عیلان ہے، ابن خلدون کا بیان ہے کہ بنی عُقَیل نے کوفہ اور بلادِ فرات میں اپنی مملکت قائم کی، یہ تمام علاقہ بنوعُقَیل کے زیرِ اقتدار اس وقت تک رہا، جب تک کہ سلجوقیوں نے ان پر قبضہ نہیں کرلیا اور ان علاقوں کو بحرین میں شامل کردیا۔

بنوخفاجہ کا سلسلۂ نسب بھی بنوعقیل سے جاملتا ہے گو کہ بنوخفاجہ نے اپنے کو ان سے علاحدہ کرکے خودمختار قبیلہ بنالیا تھا، بنوخفاجہ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: خفاجه بن عمرو بن عقیل بن کعب بن ربیعه بن عامر بن صعصعه بن معاویه بن بکر بن هوازن بن منصور بن عکرمه بن خصفه بن قیس عیلان، درحقیقت خفاجہ ایک عورت کا نام ہے، جس کی اولاد نے نام وری حاصل کی اور خوب پھولی پھلی لہٰذا ان سب کو اسی عورت کے تعلق سے جانا گیا یعنی خفاجہ کے بیٹے، خفاجہ کی ہی جانب ایک خفاجی عورت لیلیٰ الاخیلیہ کے شوہر توبہ بن الحمیر کی بھی نسبت کی جاتی ہے جو

☆ ریڈر شعبۂ عربی، لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ۔

۵۵ھ میں قتل کیے گئے تھے، یہ قبیلہ خفاجہ کوفہ کے اطراف میں آباد تھا اور اس نے دوصدیوں یعنی چوتھی اور پانچویں ہجری میں شہرت و نام وری حاصل کی، ابوطریف علیان بن ثمال الخفاجی کی قیادت میں بنوخفاجہ نے ۳۷۴ھ میں کوفہ میں اپنی مملکت قائم کی، بعض خفاجی حکمرانوں کی تفصیل اس طرح ہے جو ہمارے زمانہ تک عوامی قصوں میں زندہ ہیں، امیر عامر الخفاجی جس کی جانب اس زمانہ کے عرب قصر اُخیضر کی نسبت کرتے ہیں کہ یہی قصر اس کی مملکت کا مرکز اور حکومت کا قصر تھا، اس زمانہ کے بدو یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ قصر کا بانی امیر عامر الخفاجی ہے، جس کا تذکرہ بنوہلال کی سیرت میں ملتا ہے۔

عربوں کا یہ گمان تاریخی لحاظ سے بھی صحیح معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ قبیلہ خفاجہ کے افراد اس علاقہ میں بود و باش اختیار کیے ہوئے تھے جس سے یہ قصر چاروں اطراف سے محصور ہے اور کافی دوری پر بھی واقع ہے، یہ قصر عراق کربلاء کے محافظہ سے جنوب غرب میں ۵۰ کلومیٹر پر واقع ہے آج بھی چاندنی راتوں میں جب عرب عوام صحراؤں میں راتوں کو داستانیں سنتے اور سناتے ہیں تو اس میں عامر الخفاجی کا نام تکرار کے ساتھ آتا ہے اور جب وہ قبیلہ بنی ہلال سے متعلق حکایات اور حیرت انگیز سوانحی واقعات کا تبادلہ باہم کرتے ہیں تو بھی عامر الخفاجی کا نام بار بار آتا ہے، وہ کہتے ہیں امیر عامر الخفاجی بنوہلال قبیلہ کی ایک حسینہ کے جادو کا شکار اس وقت ہوگیا تھا جب وہ قبیلہ اس کے مکان سے ہوکر گزر رہا تھا تو اس کا دل اس ہلالی نازک بدن حسینہ نے مسخر کرلیا اور امیر اپنی امارت ترک کرکے اسی قبیلہ کے ہم راہ مصر چلا گیا اور اس کے بعد تونس گیا، امیر نے اپنا خاندان، اپنے قبیلہ کی جگہ اور اپنی امارت کربلا کے بادیہ میں چھوڑدی۔

دور حاضر کے عرب کہتے ہیں: جب عامر الخفاجی نے بنی ہلال کے عربوں کی بے وطنی اختیار کرنے کا عزم محکم کرلیا تو اس کی ماں نے عامر کو ہلالی شہ سوار ذیاب بن غانم کی گردن میں ودیعت کردیا، وہ ذیاب کو مخاطب کرتے ہوئے یہ شعر کہتی ہے:۔

ولدی ودیع ذیاب ابن غانم　　حیث انه سیف من السیوف الشطر

تو جواباً ذیاب نے یہ شعر کہا:۔

ودعتنی ولدک ذیاب ابن غانم　　وسمر اللیالی ما لهن و دیع

اور جب بنو ہلال کا زوال ہوگیا اور انہوں نے دیار خفاجہ چھوڑ دیا تو عامر الخفاجی کی والدہ نے اپنے بیٹے کو یاد کیا اور ان عوامی ابیات کے ذریعہ اپنے غم وافسوس کا اظہار کیا:۔

یا ولدی من یوم انا حامل بہ	وانا احس بکبدی ثقل شوک نجیع
یا ویلدی حاکم علی تسعین قریہ	بھا من یشتری و بھا من یبیع
یامر علی بیبانھا ما یغلقن	یخاف علی ھتاش العراق یضیع

پہلی بیت کی شرح: وہ کہتی ہے کہ جب سے اسے عامر الخفاجی کی شکل میں حمل قرار پایا وہ محسوس کرتی تھی گویا کہ اس کے بطن میں ببول کے درخت کا کانٹا ہو۔

شرح بیت ثانی: وہ کہتی ہے اس کا بیٹا نوّے دیہاتوں پر حاکم ہے ان میں وہ حسب خواہش خرید وفروخت کرتا ہے۔

شرح بیت ثالث: وہ کہتی ہے بے شک میرا بیٹا عامر الخفاجی اپنے مالک کے حکم سے ان دیہاتوں پر حاکم ہے تو وہ ان دیہاتوں کے دروازوں کی نگہبانی کا حکم دیتا ہے جو بادیہ میں واقع ہیں تاکہ یہ دروازے بند نہ ہوں اور یہ دیہات کے عوام کے لیے کھلے رہیں کیوں کہ اسے خوف ہے کہ عراق کی جانب رات میں آنے والا برباد نہ ہوجائے۔

احمد بن محمد بن عبدربہ اندلسی صاحب کتاب العقد الفرید اپنی تصنیف کے تیسرے جز میں صفحہ ۳۵۴ پر کہتا ہے کہ قبیلہ بنی ہلال ان قبائل میں سے ہے جن کا سلسلۂ نسب عامر بن صعصعہ بن ہوازن بن قیس عیلان عدنانی تک ختم ہوتا ہے اسی قبیلہ بنی ہلال سے نبی محمد ﷺ کی زوجہ میمونہ بھی تھیں اور عربی ادب کی کتابوں میں مذکور مشہور شاعر حمید بن ثور کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔

ابن عبدربہ اندلسی نے عامر بن صعصعہ سے تعلق رکھنے والے عامری عدنانی قبائل میں سے دو قبیلوں بنو کلاب اور بنو نمیر کا ذکر کیا ہے۔

موصل میں آل المسیب العقیلیہ کی امارت یہ امارت اپنے بانی اور پہلے امیر ابومحمد المقلد بن المسیب العقیلی کے ہاتھوں اس وقت قیام پذیر ہوئی جب وہ اپنے قبیلہ کی مدد سے ان کے لیے موصل میں ایک سلطنت یا امارت قائم کرنے کی سعی اور کوشش کر رہا تھا، اس کا قیام ۳۸۰ھ میں عمل میں آیا، بعد ازاں اس نے کوفہ اور بادیہ کے علاقوں کو بھی اپنی حکومت میں شامل کرلیا تھا۔

بویہی حکمراں بہاء الدولہ نے ۳۸۲ھ میں آل میتب کی امارت پر اقتدار حاصل کرنے اور موصل سے قبیلہ عقیل کو نکال باہر کرنے کی کوشش کی، لہذا اس نے ابوجعفر الحجاج بن ہرمز کی قیادت میں ایک فوج بھیجی، اس کی بنوعقیل کے ساتھ کئی جھڑپیں ہوئیں، بنوعقیل کی قیادت ابوذواد محمد بن المسیب العقیلی نامی ایک بڑے شیخ کے ہاتھوں میں تھی جو امیر عقیل المقلد کا بھائی تھا، بنوعقیل نے حجاج بن ہرمز کی فوج کو شکست دی اور اسے موصل سے نکال باہر کیا۔

المیر المقلد بن المسیب العقیلی کے بھائی شیخ علی بن المسیب العقیلی نے ۳۸۷ھ میں اپنے بھائی کی خلاف علم بغاوت بلند کیا لیکن المقلد اس بغاوت کو دبانے میں کامیاب ہوا اور اس نے بھائی علی کو قید کرلیا تو شیخ علی کی اولاد نے بغاوت کردی اور ان کے چچا شیخ حسن بن المسیب العقیلی نے امیر الدولہ المقلد بن المسیب کے خلاف جنگ میں اپنے بھتیجوں کا ساتھ دیا، امیر مقلد نے باغیوں سے مقابلہ کرنے کے لیے عربوں کی بڑی تعداد جمع کرلی تھی، لیکن میتب کے بیٹوں کی بڑی بہن رہیلہ بنت المسیب العقیلی نے اپنے اونٹ پر ہودہ کسا اور اپنے بھائی امیر مقلد کی جانب روانہ ہوگئی، امیر مقلد نے اپنی بہن کا شایانِ شان بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔

رہیلہ نے آلِ میتب کے درمیان تعلقات کی بہتری کے لیے کوشش کی اور اس کی یہ ثالثی اس کے بھائیوں نیز چچازاد بھائیوں کے درمیان کامیاب رہی، امیر مقلد نے اپنے بھائی کو رہا کردیا اور اس کا مال واسباب بھی واپس کردیا اور اپنے خیمے کے قریب ہی اس کا خیمہ بھی نصب کرادیا اور ان دونوں کے درمیان معاہدہ ہوگیا، عوام اس امر سے بہت خوش ہوئے، اس صلح کی خبر بادیہ عربوں کے درمیان تیزی سے پھیل گئی۔

شیخ علی بن المسیب العقیلی کی موت ۳۹۰ھ میں واقع ہوگئی اور امیر مقلد کے لیے اپنے بھائی کی موت کے بعد معاملہ پوری طرح انجام کو پہونچ گیا، اسی سال امیر مقلد نے موصل کے قریب واقع دقوقا کی جانب سفر کیا اور اس پر قبضہ کرکے بویہیوں کے عامل حکمراں معین کو نکال باہر کیا، ۳۹۱ھ میں اپنے ترک خدام کی سازش کے نتیجہ میں امیر ابومحمد المقلد بن المسیب کو قتل کردیا گیا، اس سازش میں بویہیوں کا ہاتھ ہونا بھی بعید از قیاس نہیں ہے، امیر مقلد کے قتل کے بعد اس کے بیٹے قرواش بن المقلد نے عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لی۔

امیر قرواش اپنے والد کے قتل کے بعد موصل کے عرب قبائل کے سرداروں میں سے ایک شیخ قراد بن اللدید کا تعاون اور قربت حاصل کرنے پر مائل ہوا کیوں کہ اسے اپنے چچا حسن بن المسیب کی اپنے خلاف بغاوت کا خطرہ تھا، اس کے چچا نے قراد کے ساتھ اس کے تعاون کو ناپسند کیا اور بنومسیب کے افراد کو جمع کرکے ان سے اس طرح مخاطب ہوا: اے قوم! قراد بن اللدید بنومسیب کے مال واسباب کا وارث کس طرح ہوا جب کہ بنومسیب زندہ ہیں؟ لہذا بنومسیب کے اہل اثر افراد امیر قرواش اور اس کے چچا حسن کے درمیان معاملات کو بہتر بنانے کے لیے تیار ہوگئے، انہوں نے شیخ قراد بن اللدید کے قتل کا ایک خفیہ منصوبہ تیار کیا لیکن قراد کو اس کا پتہ چل گیا پس وہ اپنی جان بچا کر فرار ہوگیا اور اپنے پیچھے اپنا گھر نیز وافر مال و دولت چھوڑ گیا جس پر امیر قرواش اور اس کی جماعت نے قبضہ کرلیا۔

۳۹۲ھ میں امیر قرواش نے بنوعقیل کی ایک زبردست جمعیت کو مدائن کی جانب ر[illegible] کیا جس نے اس کا محاصرہ کرلیا اور ایک سال کی مدت میں مدائن بنوعقیل کے ہاتھوں میں آ[illegible] اس کے بعد بویہی حاکم بہاء الدولہ نے ابوجعفر الحجاج بن ہرمز کی قیادت میں ایک بڑی فوج [illegible] مدائن کی طرف بھیجا تاکہ وہ عقیل کو وہاں سے نکال دے، قبیلہ عقیل نے اپنے امیر قرواش کی قیادت میں قبیلہ بنی سعد کو اس کے امیر ابوالحسن مزید الاسدی کی قیادت میں اپنا حلیف بنایا، ان دونوں عربوں یعنی عقیل اور اسد کی فوجوں نے فارسی اور ترکی حکومتوں کی فوجوں کی طاقت پر غلبہ حاصل کیا اور ان کی بڑی تعداد کو قید کرلیا اور ان کے خیموں کو لوٹ لیا اور ان کی زیادہ تر فوج فرار ہوگئی، اس ذلت آمیز ہزیمت کے بعد الحجاج بن ہرمز نے شام میں موجود عربی قبیلہ خفاجہ سے مدد طلب کی اور انھیں کافی مال و دولت دی تو وہ سب الحجاج کے ساتھ ہوگئے اور ان کے ساتھ وہ بنوعقیل و بنواسد کے ساتھ نبرد آزما ہوا، یہ ایک زبردست جنگ ہوئی جو لمبے عرصہ تک چلی، دونوں عرب قبیلوں نے شکست کے بعد صحراء میں پناہ لی، دونوں کی افواج کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا تھا، اس کے بعد الحجاج بن ہرمز نے امیر قبیلہ بنی اسد ابوالحسن مزید الاسدی کے مساکن اور اثاثہ لوٹنے کے لیے کوچ کیا تو اس نے فرات پر واقع خیموں کو لوٹ لیا، اس نے اور اس کے فارسی، ترکی نیز عرب افراد پر مشتمل لشکر نے خیموں کو تباہ و برباد کردیا۔

۳۹۷ھ میں امیر قرواش بن المقلد العقیلی نے ایک بڑا لشکر تیار کیا اور اسے کوفہ کی جانب وہاں کے خفاجی امیر ابوعلی بن ثمال الخفاجی سے لڑنے کے لیے بھیجا، دونوں کی افواج آمنے سامنے ہوئیں اور انہوں نے جنگ کی، امیر قرواش کو شکست ہوئی اور وہ انبار واپس آگیا اور امیر ابوعلی بن ثمال الخفاجی کوفہ پر قابض اور اس کا حاکم بنا رہا، اس دوران موصل کے امرا بنوعقیل سے متعلق آل مسیب کی امارت کے لیے کوفہ ایک تابع اور فرماں بردار علاقہ کی حیثیت سے رہا، لیکن عباسی حکومت کی افواج نے انہیں کوفہ سے نکال باہر کیا، کوفہ کی امارت نے قبیلہ بنوخفاجہ کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور عباسیوں نے ابوطریف علیان بن ثمال الخفاجی کو ۳۸۴ھ میں اپنا پہلا والی بنایا، عباسی خلیفہ نے اس کے حوالے کوفہ کی حفاظت اور صحرا سے سفر کرنے والے حجاج کے قافلوں کی نگرانی بھی کردی۔

۴۰۱ھ میں شیخ ابومحمد عبداللہ بن محمد بن مقن (مسیب بن مقلد الاول بن عمرو بن المہیا العقیلی کا بھائی) کا انتقال ہوگیا اور مقلد الاول کی ذات ہی ایسی تھی جو آل مسیب اور آل مقن دونوں کو متحد کیے ہوئے تھی۔

۴۱۱ھ کے ربیع الاول میں شیخ ابوسنان غریب بن محمد بن مقن بن مقلد بن عمرو المہیا العقیلی نے اپنے چچازاد بھائی امیر قرواش بن مقلد بن المسیب بن مقلد بن عمرو بن المہیا العقیلی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، امیر قرواش کے خلاف اس بغاوت میں غریب کی حمایت قبیلہ بن اسد کے امیر نور الدین دبیس بن علی بن الحسن بن مزید الاسدی اور بغداد کی بویہی فوج کر رہے تھے، اس مشترکہ فوج نے امیر قرواش کو شکست دی اور اسے گرفتار کرلیا، اس نے امیر اور اس کے چچازاد بھائی شیخ رافع بن محمد بن مقن بن مقلد بن عمرو المہیا العقیلی کو قید کرلیا، یہ جنگ شہر سرّ من رائی (موجودہ سامرا) کے قریب ہوئی تھی اور جب قرواش اور اس کے بھائی رافع قید کرلیے گئے تو ان کے مال و دولت نیز حرم کو بھی لوٹ لیا گیا، امیر قرواش نے قید سے نجات حاصل کرلی اس نے قبیلہ خفاجہ کے امیر سلطان بن الحسین بن ثمال الخفاجی سے پناہ طلب کی اور اس نے نہ صرف پناہ دی بلکہ اس کی مدافعت بھی کی، جہاں تک شیخ رافع کا معاملہ ہے اس نے اپنے قرابت دار شیخ ابوسنان غریب سے پناہ کی درخواست کی جس نے رافع کو قید سے رہا کرایا اور دولت عباسیہ کی بویہی فوج کی

پناہ میں دے دیا۔

۴۱۷ھ میں قبیلہ خفاجہ نے اپنے سردار امیر کوفہ ابوسفیان منیع بن حسان الخفاجی کی قیادت میں امیر موصل امیر قرواش بن مقلد بن المسیب العقیلی (امیر عقیل) کی اراضی پر قبضہ کی کوشش کی تو وہ موصل سے اس کی حفاظت کے لیے آیا، پس انھوں نے امیر حلہ (امیر بنواسد) نورالدین دبیس بن علی بن الحسن بن مزید الاسدی سے مدد طلب کی تو امیر ان کی جانب گیا، وہ سب جمع ہوئے تو ان کی مدد کے لیے قرواش کے خلاف بغداد کی فوج آئی، وہ لوگ بادیہ کوفہ میں آمنے سامنے ہوئے جو قرواش کا علاقہ تھا، تو قرواش العقیلی کی فوج اور اس کے خلاف جمع افواج کے درمیان کئی معرکے ہوئے، اس نے سمجھ لیا کہ اس اجتماعی فوج پر اس کا کوئی زور نہیں ہے، تو رات کے وقت وہ انبار کی طرف فرار ہوگیا، اسد اور خفاجہ نے اس کا پیچھا کیا لیکن انہیں مال و دولت اور افراد کو حاصل کرنے کے علاوہ کوئی کامیابی نہیں ہوئی، قرواش فرار ہوکر بادیہ موصل میں جاکر پناہ گزیں ہوا جہاں اس کی حکومت اور اس کے قبیلہ بنوعقیل کا مرکز تھا۔

بویہیوں نے سال ۴۱۷ھ کے دوران اپنے مزاج کے مطابق عربی قبائل اور ان کے شیوخ کے درمیان اختلاف اور فتنہ پروری جاری رکھی تاکہ انھیں کمزور اور زیر کیا جاسکے اور ان کے قبضے کو ختم کیا جاسکے، اسی سال امیر قرواش کے بھائی شیخ ابوالفضل بدران نے قبیلہ عقیل کے بعض شیوخ کو جمع کیا اور انہوں نے امیر قرواش بن المقتدر بن المسیب العقیلی کے خلاف بغاوت اور نافرمانی کا اعلان کیا، ان کے درمیان جنگ ہوئی، ان میں سے بعض کو دوسروں پر فتح ملی، دونوں کے جانب سے کافی لوگ مارے گئے، اخیر میں سب مفاہمت پر راضی ہوئے اور امیر قرواش نے اپنے بھائی ابوالفضل بدران کو نصیبین شہر کی حکمرانی واپس کردی۔

شجرہ ونسب العقیلیین

امیر قرواش نے اپنے چچازاد امیر رافع بن محمد بن مقن العقیلی کو تکریت کا امیر مقرر کیا، امیر رافع کا ۴۱۷ھ میں انتقال ہوگیا، اس نے ورثہ میں پانچ سو ہزار دینار چھوڑے جو اس کے بھتیجا خمیس بن ثعلب کے حصہ میں آئے، جو اپنے چچا رافع کے دوران حکومت علاقہ بدر تھے۔

امیر ابوکامل برکۃ بن ابی محمد المقلد العقیلی

بنوعقیل کی ایک بڑی تعداد نے ۴۴۱ھ میں عجمی علاقہ پر حملہ کیا اور اس کو لوٹ کر وافر مال و اسباب حاصل کیا۔

۴۴۲ھ میں حکمراں ابوکامل برکۃ بن المقلد نے اپنے بھائی قرواش بن ابی محمد المقلد (امیر ثانی) کو گرفتار کرلیا اور اس کو اختیارات سے محروم کردیا اور خود کو آل مسیب کی حکومت کا والی قرار دے دیا، زعیم الدولہ ابوکامل برکۃ بن المقلد (امیر ثالث) کا ۴۴۳ھ میں انتقال ہوگیا، اس کے بعد علم الدین ابی المعالی قریش بن بدران بن المقلد حکمراں ہوا اور وہ موصل میں آل مسیب عقیلیہ کے سلسلہ کا چوتھا امیر قرار پایا۔

قریش اور مقلد کے درمیان اختلاف

۴۴۴ھ میں امیر رابع علم الدین قریش بن ابی الفضل بدران العقیلی اور اس کے بھائی ابوحسان المقلد بن ابی الفضل بدران کے درمیان دونوں کے چچا قرواش (امیر ثانی) کو قید کرنے کے معاملہ پر اختلاف پیدا ہوگیا، مقلد کو اپنے بھائی قریش سے چچا قرواش کو قید میں رکھنے پر اتفاق نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا مسئلہ حل کردیا جب ان کے چچا معتمد الدولہ ابوالمنیع قرواش (بنی عقیل کے امیر ثانی) کا اسی سال موصل کے ایک قلعہ جراحیہ میں اپنے بھتیجے قریش کی قید میں انتقال ہوگیا، امیر قرواش عربوں کے بہادر اور دانش مند افراد میں سے تھے۔

امیر قرواش العقیلی کے پسندیدہ اقوال میں سے ایک قول ہے "بادیہ کے پانچ یا چھ افراد سے زیادہ کے قتل کا الزام میری گردن پر نہیں ہے اور جہاں تک شہری کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی پروا نہیں کرتا ہے۔

امیر مسلم نے العلوی المصری کے لوگوں کا قلع قمع کیا

۴۶۰ھ میں شرف الدولہ مسلم بن علم الدولہ قریش (وہ امیر خامس ہے اس کو اپنے والد کے انتقال کے بعد حکومت حاصل ہوئی) اور قبیلہ بنی کلاب کے درمیان فرات کے کنارے منطقہ الرحبہ میں جنگ ہوئی، یہ قبیلہ بنی کلاب کے لوگ العلوی المصری (فاطمی خلیفہ) کے تابع تھے، تو شرف الدولہ نے ان کا قلع قمع کردیا اور ان کا مال و اسباب ضبط کرلیا اور ان کے مصری سرداروں کو بغداد روانہ کردیا، عباسی خلیفہ اور سلجوقی سلطان نے شرف الدولہ مسلم العقیلی کو خلعتیں ارسال کیں۔

۴۷۲ھ میں شرف الدولہ مسلم بن قریش العقیلی صاحب الموصل اور نصیبین نے مدینہ حلب پر قبضہ کرلیا۔

۴۷۷ھ میں صاحب الموصل والجزیرہ والانبار ونصیبین وحلب شرف الدولہ امیر بنی عقیل

مسلم بن قریش بن بدران العقیلی (حاکم خامس) کا انتقال ہوگیا، وہ سلجوقی سلطان الپ ارسلان کا داماد تھا، وہ ایک شجاع مخیر اور ہمت وعزم والا شخص تھا، اس کی موت کے ساتھ ہی دولت آل مسیب العقیلی کا شیرازہ بکھرنا شروع ہوگیا جس کی راج دھانی شہر موصل تھا، اس کی موت کے بعد حکومت اس کے بیٹے امیر ابراہیم بن مسلم بن قریش بن بدران کو ملی اور اس طرح وہ عقیلی امارت الموصل کا چھٹا امیر بن گیا، ۴۸۲ھ میں سلجوقی سلطان ملک شاہ نے امیر ابراہیم کو ملاقات کے لیے بلایا اور جب وہ بغداد پہونچا تو اسے نظر بند کردیا اور موصل میں آل مسیب کی امارت کی زیادہ تر اراضی پر قبضہ کرلیا، بتدریج سلطان کا قبضہ ہوتا چلا گیا، لیکن امیر شعیب بن المقلد بن المسیب کی اولاد میں ایسے بہادر افراد پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے لیے فرات پر عانہ اور حدیثہ کے علاقوں میں ایک نئی مملکت قائم کی جسے کافی شہرت حاصل ہوئی اور جس کا ذکر تاریخ کی کتب میں کثرت سے ملتا ہے۔

☆☆☆☆

سلسلۂ تاریخ اسلام

تاریخ اسلام حصہ اول: عہد رسالت وخلافت راشدہ یعنی آغاز اسلام سے لے کر خلافت راشدہ کے اختتام تک اسلام کی مذہبی، سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ۔ قیمت ۷۰/روپے

تاریخ اسلام حصہ دوم: (بنی امیہ) یعنی اموی سلطنت کی صد سالہ سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ کی تفصیل۔ قیمت ۹۰/روپے

تاریخ اسلام حصہ سوم: خلافت عباسیہ یعنی ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ سے ابو اسحاق متقی اللہ ۳۳۳ھ تک دوصدیوں کی سیاسی تاریخ۔ قیمت ۱۱۵/روپے

تاریخ اسلام حصہ چہارم: (خلافت عباسیہ) یعنی مستکفی باللہ کے عہد سے آخری معتصم باللہ تک خلافت عباسیہ کے زوال وخاتمہ کی تاریخ۔ قیمت ۱۱۰/روپے

ملا محمد اسماعیل بینش کشمیری

پروفیسر عبدالاحد رفیق☆

کشمیر کے آسمانِ ادب پر جو ہستیاں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکی ہیں، ان میں ملا محمد اسماعیل بینش کشمیری کا نام بھی شامل ہے، افسوس کا مقام ہے کہ کشمیر کے اس مایہ ناز فارسی شاعر سے عوام تو درکنار پڑھے لکھے لوگ بھی کم ہی واقف ہیں، کشمیر کے فارسی شاعروں اور نثر نگاروں نے اپنے خونِ جگر سے جو لالہ کاری کی ہے، اس کے سامنے ایرانی فن کاروں کی گل کاریاں بھی بعض اوقات ماند پڑ جاتی ہیں، بینش کشمیری شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے عہد حکومت کے مشہور و معروف فارسی شاعر گزرے ہیں، ملا بینش کشمیری کا ذکر جن تذکروں میں ملتا ہے، ان کے نام یہ ہیں:۔

تذکرہ شعرائے کشمیر مرتب حسام الدین راشدی، تاریخ حسن حصہ چہارم، کلمات شعرا، تذکرہ شعرائے متقدمین، تذکرہ ہمیشہ بہار، ریاض الشعرا، مجمع النفائس، آتش کدہ، صحف ابراہیم، نتائج الافکار، صبح گلشن، پارسی سرایان کشمیر، مخزن الغرائب، فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب، ان سب تذکروں کے مطالعہ کے باوجود ایسے نامور شاعر کی زندگی کا کوئی پہلو نمایاں نہیں ہوتا ہے، بلکہ اکثر تذکروں کی عبارتیں حرف بہ حرف ملتی جلتی ہیں۔

ان کا نام محمد اسماعیل (۱)، تخلص بینش، ملا لقب، آبا و اجداد کا وطن ایران تھا، کشمیر میں ہی تولد ہوئے تھے، تاریخ پیدائش معلوم نہیں، آپ نے شاہ جہاں کا دور بھی دیکھا ہے (۲) اور

☆ اپر صورہ، سری نگر، کشمیر

(۱) نتائج الافکار اور صبح گلشن میں ان کا نام جعفر بیگ بتایا گیا ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے کیوں کہ جعفر بیگ سلطان حسین صفوی کا معاصر تھا، (۱۴۲۲-۱۴۹۴ء) نتائج الافکار، ص ۱۰۹، نواب سید علی حسن خاں، صبح گلشن بھوپال، ۱۲۹۰ھ، ص ۱۷۵۔ (۲) صحف ابراہیم۔

اورنگ زیب کا عہد حکومت بھی (۱) علوم وفنون کی تحصیل وتربیت کشمیر میں ہی حاصل کی تھی، تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد وہ دہلی، پنجاب، خاص کر لاہور کی سیر کرتے رہے (۲)، اورنگ زیب کے دور میں کشمیر کے چوٹی کے فارسی شعرا میں شمار ہوتے تھے (۳)، عنایت خاں آشنا کے ہم عصر تھے (۴)، صحف ابراہیم میں ان کے متعلق یوں بیان کیا گیا ہے:-

''ملا بینش کشمیری، اسمش محمد اسماعیل، گویند وطن آبائیش ایران است، واودر کشمیر نشونما یافتہ درزمان پادشاہ عالم گیر خلد مکان از مشاہیر سخن وران کشمیر بود، در مجمع النفائس آمدہ کہ غالباً معاصر عنایت خاں آشنا باشد، چہ اکثر بجواب غزلہای او پرداختہ است، واشعارش بلاقصور یافتہ شد، مثنوی در تعریف اماکن کشمیر بہ خوبی در سلک تحریر کشیدہ وکلامش مدون وسخن در معنی یاب است راقم آثم ابیاتش را از مجمع النفائس وبعضے سفائن بر گرفتہ دریں اوراق اثبات ساختہ'' (۵)۔

زندگی کا اکثر حصہ لاہور، پنجاب اور دہلی میں بسر کیا (۶) کشمیر میں زیادہ تر گشتی کی سیر کیا کرتے تھے (۷)، تاریخ وفات کا کہیں ذکر نہیں ملتا البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ گیارویں صدی ہجری

(۱) نشتر عشق باکی پور، نمبر ۲۳۱، ص ۲۸۵۔ (۲) صحف ابراہیم و آتش کدہ بمبئی، ۱۲۹۹ھ۔ (۳) آتش کدہ بمبئی، ۱۲۹۹ھ۔ (۴) مرزا محمد طاہر ملقب بہ عنایت خاں، تخلص آشنا ظفر خاں، صوبے دار کشمیر کا لڑکا تھا، اس کی ماں بزرگ خانم ممتاز محل کی بڑی بہن ملکہ بانو کی لڑکی تھی، شاہ جہاں نے اس کو بہت ہی کم عمری میں یعنی جب وہ صرف سات سال کا تھا، منصب عطا کیا اور جب سن شعور کو پہنچا تو ہزار و پانصدی کے منصب پر مامور کیا، اس کے ساتھ داروغہ حضور بنایا گیا، شاہ جہاں کے آخری دور میں شاہی کتب خانہ کا داروغہ تھا، آشنا نے اپنی عمر کا آخری حصہ کشمیر میں گذارا، عالم گیر کے زمانہ میں اس کو ۲۴ ہزار روپے سالانہ کا وظیفہ ملتا تھا، بڑا سمجھدار جوان تھا، طبیعت میں شوخی تھی، ابو طالب کلیم اور دوسرے شعرا کو اپنے گھر میں بلاتی اور کھانے کی چیزوں میں نشہ آور چیزیں ملا دیتا، مجھ پر بھی وہ مہربان تھا، دو سال ہوئے وفات پائی اور کشمیر میں دفن ہوئے (تذکرہ نصر آبادی ۱۰۸۱ء)۔ (۵) صحف ابراہیم، ص ۹۶، الف۔ (۶) آتش کدہ لطف علی خاں آذر بمبئی ۱۲۹۹ھ، ص ۳۶۵، مخزن الغرائب علی گڑھ، ورق ۵۱۔ (۷) ہمیشہ بہار، ۱۰ الہ شعرائی کشمیر بخش اول، ص ۱۴۲، شائع کردہ اقبال اکاڈمی، کراچی ۱۹۶۷ء۔

کے اختتام پر وفات پائی تھی (۱)، بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ بینش نے ایران کی سیاحت کی تھی، مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، البتہ انہوں نے اپنی مثنویوں میں ایران کے بعض شہروں اور مقامات کا ذکر کیا ہے مگر وہ محض شاعرانہ خیال آرائی ہے، انہوں نے اکثر کشمیری اور مغل امرا کی تعریف و توصیف دل کھول کر کی ہے اور قصیدے لکھے ہیں (۲)، قصیدوں کے مطالعہ سے بعض مفید باتیں معلوم ہوتی ہیں، انہوں نے ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کی ہے، جس میں غزل، مثنوی، قصیدہ اور رباعی شامل ہیں، ہر جگہ ہر صنف سخن میں ان کی استادانہ شان قائم ہے، مگر مثنوی میں وہ واقعی صاحب طرز شاعر ہیں، وہ حسن کے سچے شیدائی تھے اور ان کے ہر شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ اصول اپنایا تھا کہ حسن ایک صداقت ہے اور صداقت ایک حسن ہے، ان کی شاعری میں ہر جگہ حسن کی تعریف ملتی ہے، حسن وعشق کا ایک حسین امتزاج ان کی شاعری میں نمایاں ہے (۳)، ان کی شاعری میں عشق کی جو سرمستی پائی جاتی ہے، اس کی نظیر کشمیر کے ایک اور فارسی شاعر داراب جویا میں ملتی ہے، بینش کی غزلوں میں ایک خاص قسم کی سادگی اور شیرینی پائی جاتی ہے، ان کے کلام میں صنائع وبدائع کا بہت کم استعمال ہوا ہے، ہر جگہ سادگی اور پرکاری دکھائی دیتی ہے، حسن وعشق، دل ودماغ اور روح کا ذکر دل کش انداز میں کرتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ وہ عشق کے تیر سے خود بھی گھائل ہو چکے تھے، اس لیے عشق کی وارداتیں حسن اور سچائی کے ساتھ بیان کی ہیں، وہ خیالی معشوق کی تعریف نہیں کرتے ہیں بلکہ اس محبوب کی جوان کے سامنے موجود ہے (۴)۔

چشم گریاں مرا، جوش خریداری ہست … چوں کہن اشک مرا طالع سرشاری ہست
می کند رو بہ قضا سیر جہاں را خورشید … در دلش از تو مگر حسرت دیداری ہست
چمن عشرت من گلخن قائم باشد … می زنم گل بہ سر آندم کہ بپا خاری ہست
چمن شگفت و زبند غم رہائی نیست … میانہ من و گل بی تو آشنائی نیست
ہر کجا کہ تو منزل کنی خوش است مرا … میان چشم و دل عاشقان جدائی نیست
بہ باغ نرگس و در دشت لالہ می گوید … چراغ چشم عرابی تو روشنائی نیست (۵)

(۱) فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب۔ (۲) ایضاً۔ (۳) کلمات الشعرا، مطبوعہ لاہور۔ (۴) تذکرہ شعرای کشمیر راشدی بخش اول، ص ۱۵۳۔ (۵) ایضاً

یہ کہنا سراسر لغو اور بے بنیاد ہے کہ دیوان بینش میں صرف حسب ذیل دو شعر عمدہ اور اچھے ہیں (۱)۔

ہر پارہ دلم چینی از نگاہ اوست　　آئینہ چوں شکستہ شد آئینہ خانہ ایست
در راہ وصال تو زبس چشم براہم　　چوں جادہ بود خاک نشیں مد نگاہم

بلکہ حق تو یہ ہے کہ ان کا کلام سراپا انتخاب ہے اور اہل دل نے ہمیشہ ان کے کلام کو سراہا ہے، کشمیر میں جویا کے دوش بدوش ان کا نام لیا جاتا ہے، محمد افضل سرخوش نے ان کے کلام پر جو رائے دی ہے، وہ انصاف پر مبنی نہیں ہے۔

بینش کو کشمیر کے فطری حسن اور مناظر کے ساتھ بڑا لگاؤ رہا ہے، یہاں کے پرکشش باغات، گل پوش وادیاں اور حسین و جمیل کوہساروں کے نظاروں کا حسن ان کے ہر شعر سے چھلکا پڑتا ہے، وہ بہار کی تعریف میں فرماتے ہیں (۲)۔

بستان تاک در اطراف بستان　　تواں گردید برگرد درختان ! (۳)
نمی باشد بگر دونش ، جدائی　　بزرگان راست باہم آشنائی (۴)

کشمیر کے پہاڑوں کی توصیف یوں کی ہے۔

فلک خم گشتہ پیری در کنارش　　بود موی سفید از آبشارش (۵)

کوہ پیر پنچال کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

درین کہسار جوش نو بہار است　　کہ قاف قدرت پروردگار است (۶)
دنش را سبزہ و گل ، در کنار است　　کہ موی کلک نقاش بہار است !
بود یکدستہ گل ایں کوہ دل خواہ　　کہ پیچیدہ است برخو در شتہ از راہ!
چو رہبر دیدہ ایں کوہ تنو مند　　کہ آنرا با رگ ابر است پیوند
بپا از بسکہ رنگش می کند جا　　شبیہہ سنگ پا گرد و کف ' پا '
چو قطع رہ سپہر پیر سازد　　مہ نورا عصا شمشیر سازد

(۱) کلمات الشعرا سرخوش، مرتبہ محمد حسین محوی لکھنوی، ص ۱۸، مدراس یونیورسٹی ۱۹۵۱ء۔ (۲) تذکرہ شعرای متقدمین و ہمیشہ بہار ریاض علی باسط۔ (۳) ایضاً (۴) تذکرہ شعرای کشمیر راشدی بخش اول، ص ۱۴۶۔ (۵) ایضاً (۶) ایضاً

جھیل ڈل کے کنارے کسی عمارت کی تعمیر کے موقع پر بینش نے کیا خوب کہا ہے۔

چناں سنگش بصا فی روی بنمود　　کہ شد از عکس گل آب گل آلود ! (۱)

کشمیر میں کوہ ماران اور کوہ سلیمان کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

دو کشمیری جواں گل فروش اند　　کہ از بر بہاری شال پوشند (۲)

جھیل مالسنبل کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں۔

در آبش بستہ عکس کوہ آئیں　　کشیدہ سُرمۂ گوی چشم شیریں (۳)

بینش کا اصل شاہکار اس کی مثنویاں ہیں جن سے جہاں ان کی کمال ہنرمندی ظاہر ہوتی ہے وہاں ان کی استادانہ شان بھی نظر آتی ہے، بینش نے چند مثنویاں لکھی ہیں، ان کی تفصیل یوں ہے:۔

بینش الابصار، یہ مثنوی، مثنوی مخزن اسرار کے جواب میں لکھی گئی ہے، اس کا وزن بحر اور موضوع مخزن اسرار کے انداز میں ہے، اس مثنوی میں شاعر نے اورنگ زیب کی مدح سرائی کی ہے، مختلف شہروں کے اوصاف بیان کر کے کشمیر کی نفاست، پاکیزگی اور حسن خداداد کی تعریف کی ہے، اس کے علاوہ شاعر نے ہندوستان کے دریا جمنا کی بھی تعریف کی ہے، دہلی کے خوبصورت چہروں کے ساتھ ساتھ یہاں کے صوفیہ اور اولیا کی خوب تعریف کی ہے، کشمیر کی تعریف اس مثنوی میں یوں کی ہے۔

شوخ مرا بلبل تقریر کرد　　مدح سرای گل کشمیر کرد !
رنگ گلشن ریختہ طرح فرنگ　　سبزہ بہ مژگان فرنگی بہ جنگ (۴)

اس مثنوی کا اصلی موضوع اخلاق ہے، اس میں صبر و سخاوت اور قناعت پر عمل کرنے کی تاکید کی گئی ہے، بینش کی دوسری مثنوی، مثنوی گنج روان ہے، اس مثنوی میں اورنگ زیب اور کشمیر کے امیروں کی تعریف کی گئی ہے، خاص کر مرزا محمد کرمانی (۵) اور سید محمد کاشانی (۶) کی مدح سرائی میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے ہیں، اس مثنوی میں اس کے علاوہ مناظر فطرت کا بیان وضاحت

(۱) تذکرہ شعرا کشمیر راشدی بخش اول، ص ۱۴۶ و ۱۴۷۔ (۲) ایضاً۔ (۳) ایضاً۔ (۴) مجموعہ مثنویات بینش، ورق ۳۲۔ (۵ و ۶) اورنگ زیب کے دور کے کشمیر کے دو امرا جو یکے بعد دیگرے دیوان کے عہدے پر فائز المرام ہوئے۔

کے ساتھ کیا گیا ہے، کشمیر کے چار موسموں کا عمل اور اثر بیان کر کے شاعر نے خدا کی کاری گری کی خوب داد دی ہے۔

ساقی نامہ ایک مثنوی ہے جو عام ساقی ناموں کی طرح بہار کے پر کیف نظاروں اور خوش گوار ہوا کے اثرات کے بیان پر حاوی ہے، یہاں حسن وعشق کی دل کش آمیزش نے شاعر کے جذبات کی خوب ترجمانی کی ہے، مگر پھر بھی شاعر نے اخلاق کا لحاظ رکھا ہے۔

بینش کی ایک اور مثنوی 'گلدستہ' ہے، اس مثنوی میں بینش نے چاند، سورج اور زمین کا ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ حسن وعشق کی باتیں دل کش انداز میں بیان کی ہیں، خاص کر پنجاب لاہور کی تعریف بھی کی ہے، لاہور سے بھی ان کو کشمیر ہی کی طرح والہانہ عشق ہے۔

لاہور جہاں جاودان است   پیر کہن نوجوان است
آراستہ آں قدر کی شاید   پیراستہ آں چناں کہ باید
مشہور بہ خوبی است لاہور   ہر چشم بدی چو عیب از و دور

''شور خیال'' بینش نے ایک اور مثنوی لکھی ہے، اس میں بنارس کی عشقیہ کہانی بیان کی ہے، جو صداقت پر مبنی معلوم ہوتی ہے، اس میں بنارس کے حسن کی تعریف کی گئی ہے۔

بنارس را عجب آب و ہوائی است   برائے عشق بازی طرفہ جاری است
برہمن زادگان فتنہ آئین   چو گل دارند در بر جامہ بر چین
بتانش از نمک نیکو سرشتند   کہ موج سبزہ باغ بہشت 'اند
شد آں روزی کہ ہندوستان گلستاں   زسبزان شد بنارس سنبلستاں

''رشتہ گوہر'' بینش کشمیری کی پانچویں مثنوی ہے، اس میں ایک سانپ اور گدھ کی کہانی بیان کی گئی ہے کہ ایک گدھ ایک سانپ کا شکار کر کے لے جارہا تھا، اچانک سانپ اس سے چھوٹ کر زمین پر اڑتا ہوا آیا اور ایک عورت کو کاٹ کھایا اور وہ عورت تڑپ کر مرگئی، اس کے آخر میں فرماتے ہیں۔

رشتہ گوہر کلام نظام   کہ بہ نام تو خمسہ کرد تمام
یا رب ایں خمسہ بی قریں باشد   تا سخن است ایں چنیں باشد

''جواہر خانہ'' بینش نے ایک اور خمسہ لکھا ہے، اس میں اورنگ زیب کی تعریف کی ہے، مرزا محمد تقی بیگ کی بھی مدح کی ہے، مثنوی میں لاتعداد اور تبریز کے شہروں کی خوبصورتی کو سراہا گیا ہے۔

بینش کی سب سے عمدہ اور اعلیٰ معیار کی مثنوی ''صفت سلیقہ معراج'' ہے، اس میں شب معراج کی فضیلت، عظمت اور قدر ومنزلت کو بیان کیا گیا ہے، یہاں شاعر کا قلم رواں چلتا ہے اور پرکاری وہنر مندی کا ایک اچھا نمونہ ملتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاعر کا حقیقی میدان ہے، جہاں وہ اشہب قلم کو دوڑا سکتا ہے۔

تازہ شبے زلفضائی بہشت   رشک دہ جنت و عنبر سرشت
شب نہ صفائی گل نوروز وصل   خرمن صبح دل افروز وصل
نرگس مخمور خوش کوکبے   خواب ندید است بد نہاں شبے
ظلمت شب محو زہر خانہ   چوں بہ چراغاں پر پروانہ
خلد کشادہ در گلزار ہا   راستہ گل شدہ دیوار ہا

بینش کا دیوان ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا ہے، اگرچہ دیوان اور کلیات کے نسخے ہند وپاک کے اکثر کتب خانوں میں موجود ہیں، کلام بینش کے شائع ہونے کے بعد بینش کا مقام شاعری خود بخود متعین ہوجائے گا۔

☆☆☆☆☆

مآخذ

۱۔کلمات الشعراء۔ ۲۔تذکرہ شعرای متقدمین، ۳۔ہمیشہ بہار، ۴۔ریاض الشعراء، ۵۔مجمع النفائس، ۶۔تذکرہ نصرای آبادی، ۷۔نتائج الافکار، ۸۔صبح گلشن، ۹۔آتش کدہ، ۱۰۔تذکرہ شعرائے کشمیر مرتب راشدی، ۱۱۔فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب، ۱۲۔تاریخ حسن جلد چہارم، ۱۳۔صحف ابراہیم، ۱۴۔نشتر عشق، ۱۵۔بزم تیموریہ۔

اخبار علمیہ

لندن میں سائنس دانوں کی ایک جماعت نے ایک نہایت قدیم اور زمین سے بہت دور کے ستارے کو دریافت کیا ہے، ان کا خیال ہے کہ اس کا تعلق ابتدائے کائنات کی تاریخ سے وابستہ ہے، یہ عظیم سیارہ HEOIO7-5240 ایک کہکشانی عجوبہ ہے، کیوں کہ یہ دھات سے خالی ستارہ موجودہ معروف و مشہور ستاروں سے بالکل مختلف ہے، انہوں نے سائنس جرنل "Nature" میں تحریر کیا ہے کہ اس قدیم ستارہ سے ستاروں کی ابتدا کا سراغ لگانے میں مدد ملے گی اور اس سے قدیم کائنات کے کیمیاوی اجزا کی ترکیب کا پتہ بھی چلے گا، انہوں نے لکھا ہے کہ اگر ایسے ستارے معلوم ہو جائیں جو دھات سے بالکل خالی ہوں تو ہم کو براہ راست بڑے دھماکہ کی گیس کے مطالعہ کا موقع حاصل ہوگا، حالانکہ بہت کم مقدار کی دھات والے ستاروں کے وجود کا تصور پچھلی کئی دہائیوں سے پیش کیا جاتا رہا ہے مگر ابھی تک کسی ایسے ستارے کی دریافت نہ ہونے کی وجہ سے یہ تصور مشکوک ہی سمجھا جاتا تھا، ابتدائے کائنات میں یہ ستارے کائنات کے اکثر عناصر سے مرکب تھے اور اس وقت سے آہستہ آہستہ نیوکلیر (ایٹمی) بھٹیوں کے ہلکے عناصر بھاری عناصر میں تبدیل ہوتے رہے ہیں، چنانچہ اب یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ماضی میں کائنات میں بہت سے ایسے ستارے رہے ہوں گے جن میں دھات کے عناصر یا تو بہت کم یا بالکل ہی نہیں رہے ہوں گے، ان میں سے کچھ ستارے اب بھی باقی ہوں گے جن کا علم اس دریافت سے پہلے نہیں تھا۔

چاول ہندوستان کے اکثر لوگوں کی خوراک ہے، اس میں وٹامن A آئرن اور زنک کی کمی تھی جو صحت کے لیے نقصان دہ تھا، اس لیے سائنس دانوں نے بایو انجینئرنگ کے ذریعہ چاول کی ایسی قسم تیار کی جس میں آئرن (لوہا)، زنک (جستہ) اور وٹامن A کی مقدار تین گنی زیادہ ہے، فلپین میں انٹرنیشنل رائس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے منعقدہ نویں ایشین کانگریس آف نیوٹرین میں ایس، کے دتہ نے کہا ہے کہ "ہم ایسے چاول کو پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں جو اپنے اندر زنک اور آئرن کو تین گنی مقدار میں رکھتے ہیں"

قطب جنوبی کے علاقہ آک لینڈ میں تیار کی گئی ایک نہایت طاقت ور دوربین کے ذریعہ

اس بات کا انکشاف ہوا ہے کہ کائنات بہت تیزی سے باہر کی طرف بڑھ رہی ہے اور ایسے عجیب و غریب مادے سے دبی ہوئی ہے جس کے بارے میں ابھی تک کسی کو کچھ پتہ نہیں ہے۔

۲۷۳ر ڈگری سلسیس سے کم درجۂ حرارت پر کام کرکے علم کائنات کے ماہرین نے معلوم کیا ہے کہ بگ بینگ (زوردار دھماکہ) کے ۴ر لاکھ سال کے بعد کائنات تیزی سے ٹھنڈی ہوئی اور ٹھنڈے ہونے کے عمل سے جو شعاعیں برآمد ہوئیں وہ CMB کہی جاتی ہیں اور ان CMB شعاعوں کے ذریعہ ابتدائی کائنات کے عکس کی تفصیلات ریکارڈ کی جاتی ہیں، یہ آلہ جو آرک مینیوٹ کاسمولوجی بالومیٹر آرے ریسیور (Arcminute Cosmology Bolometer Array Receiver) کے نام سے جانا جاتا ہے، یہ ACBAR امریکہ کی سولر آبزرویٹری (Solar Observatory) کا ایک حصہ ہے جو ایمنڈسن اسکاٹ ساؤتھ پول اسٹیشن (US Amundsen-Scott South Pole Station) میں نصب ہے۔

شکاگو میں امریکن پین سوسائٹی کی ایک میٹنگ میں ماہرین کے مطالعہ و تحقیق کا یہ نتیجہ زیر بحث آیا کہ پیٹھ کے مزمن درد کا تعلق دماغ کے سوچنے والے حصے سے ہے، اور انڈے مرغی میں پہلے کون کی طرح یہ معاملہ بھی معما بنا ہوا ہے کہ پیٹھ کے درد کی وجہ سے دماغ کے ریشوں میں تشنج یا سکڑن آتی ہے یا دماغی ریشوں میں سکڑن کے سبب پیٹھ میں درد ہوتا ہے۔

شکاگو کی نارتھ ویسٹ یونیورسٹی کے ڈاکٹر اے وانیا اپکرین جو اس سلسلہ میں ہو رہی تحقیق کے سربراہ ہیں کا کہنا ہے کہ اگر پیٹھ کا مزمن درد دماغ کی باریک رگوں کے سکڑنے کا سبب بنتا ہے تو اس درد کے علاج کی بہ عجلت ضرورت ہے۔

کوئنس لینڈ یونیورسٹی میں آسٹریلین جینوم ریسرچ فیکلٹی کے اسکالس میں ایان فنڈالی نے اپنی جدید DNA ٹکنک کا موجودہ DNA تفتیش سے موازنہ کرکے بتایا کہ اب تک DNA جانچ کے لیے کم از کم ۲۰۰ سے ۵۰۰ تک سل (خلیے) کی ضرورت ہوتی تھی لیکن ہماری اس جدید DNA ٹکنک کے ذریعہ ٹسٹ (جانچ) کے لیے صرف ایک ہی سل (خلیہ) کے کافی ہونے کا تجربہ کیا گیا ہے۔

فنڈالی نے اس طبی ٹکنک کی ایجاد کی اطلاع سڈنی میں اپنی جدید DNA ٹکنک کی تفصیلات بتاتے ہوئے دی۔ (ماخوذ: ٹائمس آف انڈیا)

ک ۔ص ۔ اصلاحی

معارف کی ڈاک

۱۰۱، پیل خانہ سکنڈ لین،
ہوڑہ، کلکتہ

طالبات کی اقامتی درس گاہیں

محترمی و مکرمی! ضیاء الدین اصلاحی صاحب۔

سلام مسنون

امید کی مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

جنوری ۲۰۰۳ء کے شمارے میں جناب انیس چشتی صاحب کا مضمون بعنوان "طالبات کی اقامتی درس گاہیں" نظر نواز ہوا، ناچیز کی رائے ہے کہ فاضل مضمون نگار نے بہت سے ایسے غیر ضروری مباحث اٹھا دیے ہیں جن کی کوئی ضرورت نہیں تھی، کچھ نکات ایسے ہیں جو قابلِ التفات ہیں اور بقیہ کو ان کے ذہنی اختراع پر ہی محمول کیا جانا چاہیے، اقامتی درس گاہوں میں طالبات کی عصری تعلیم سے متعلق ان کے حسنِ ظن کو ہدف بنانا مناسب نہیں تاہم میں یہ ضرور کہوں گا کہ مذکورہ عنوان کے تحت اپنے مضمون میں انہیں اپنی بچی تلی رائے کا ہی اظہار کرنا چاہیے تھا، موصوف نے عصری درس گاہوں میں طالبات کی بے راہ روی اور بے سمتی کا جو اظہار کیا ہے اس سے انکار کی کوئی گنجایش نہیں، یہ حال تو ان عصری تعلیمی درس گاہوں کا ہے جہاں مخلوط نظامِ تعلیم رائج ہے اور جس کے مفاسد اور قبائح واضح ہیں لیکن موصوف ان عصری تعلیمی درس گاہوں کے تعلق سے اس طرح کے ناخوش گوار واقعات کی کوئی ایک مثال بھی نہیں دے سکتے جہاں مسلم طالبات کے لیے دینی تعلیم کے علاوہ عصری تعلیم کا بھی نظم ہے اور جہاں ان کے لیے اقامت کی سہولتیں بھی میسر ہیں، مسلم طلبا جو عالمیت و فضیلت کے لیے ندوہ، دیوبند، فلاح اور اصلاح وغیرہ مدارس کا رخ کرتے ہیں کیا ضروری نہیں کہ دخترانِ ملت کے لیے بھی ایسا کوئی نظم ہو جہاں وہ دین و دنیا دونوں سے مسلح ہو کر اپنی نسل اور ملک و ملت نیز تبلیغ دین کی خدمت انجام دے سکیں، اول تو جامعات میں پردے کا معقول انتظام ہے نیز استانی کے علاوہ معمر مرد اساتذہ سے بھی پردے کے ذریعے تعلیمی خدمات لی جاتی ہیں، ضرورت ہے کہ ان جامعات سے ایسی طالبات فارغ

ہوں جو عائشہ، فاطمہ، خدیجہ اور مریم جمیلہ بن سکیں، وہ اگر دین کی خدمت نہ کر سکتی ہوں تو کم از کم آئندہ اپنی آغوش میں پلنے والے نونہالوں کو دین سے آشنا تو کر سکتی ہیں، کچھ نہیں تو وہ خود دین پر تو قائم رہ سکتی ہیں، آج مسلم گھرانے میں کوئی لڑکی ڈاکٹر، انجینئر، وکیل اور پروفیسر ہو جائے تو بڑا فخر لیکن کوئی اگر عالمہ، فاضلہ اور حافظہ ہو جائے تو فخر کی کوئی بات نہیں، بڑا ہی غور و فکر کا مقام ہے۔

والسلام

محمد امین عامر

اردو یونیورسٹی

گچھی باولی، حیدر آباد

۱۸ / مارچ ۲۰۰۳ء

مکرمی! السلام علیکم

صدر جمہوریہ ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام نے اردو یونیورسٹی کے کانفرنس ہال میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے ملک کی ۱۴ ریاستوں میں تعلیمی سہولتوں کا جال بچھا رکھا ہے اور ۲۲ ہزار سے زائد طلبہ زیر تعلیم ہیں، سائنس آرٹس اور کامرس کی تعلیم کا انتظام مسرت بخش ہے مستقبل چوں کہ انفارمیشن ٹکنالوجی سے مربوط ہے اس لیے یونیورسٹی کو ایسے کورسز تیار کرنا چاہیے جس سے ایک طرف تعلیم عام ہو اور دوسری طرف شعور کی بیداری کے تمام مواقع دستیاب ہوں، طلبہ کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ حصول تعلیم میں پہلے مصمم ارادہ کرتے ہوئے مستقبل کی منصوبہ بندی کریں اور مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سخت محنت و جدوجہد کریں، جس کے بعد ہی کامیابی حاصل ہوگی"۔

انہیں یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ اس یونیورسٹی سے ۵۳ فیصد خواتین استفادہ کر رہی ہیں، تعلیم ہی ایک ایسا اثاثہ ہے جو مستقبل کو سنوارنے میں غیر معمولی رول ادا کرتا ہے، انہوں نے اردو کو فروغ دینے اور تعلیمی پس ماندگی کو دور کرنے کے لیے اردو یونیورسٹی کے طلبہ کو ہفتہ اور اتوار کو اپنے پڑوسی علاقوں میں پہنچ کر تعلیم سے محروم عوام کو پڑھانے کا مشورہ دیا۔

ڈاکٹر ظفر الدین

پبلک ریلیشنز افسر (انچارج)

مطبوعات جدیدہ

مکاتیب سنائی: مرتبہ پروفیسر نذیر احمد، قدرے بڑی تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت مجلد، صفحات ۴۱۸، قیمت: ۲۷۰۰ تومان، پتہ: کتاب خانہ ملی، ایران۔

حکیم ابوالمجد، مجدود سنائی، صاحب حدیقۃ الحقیقہ، پانچویں صدی ہجری کے ان شعرائے فارسی میں ہیں جن کے مثنوی، قصیدہ، قطعہ، غزل اور رباعی میں ہزاروں اشعار یادگار ہیں، سخن سنجوں کی نظر میں ان کی شاعری کو بعض حیثیتوں سے شرف اولیت حاصل ہے، مثلاً قصائد میں پختگی اور صفائی اور خیال و طرز ادا میں جدت اور تصوف و عرفان کی شاعری میں آمیزش اور اخلاقی شاعری وغیرہ، معمولی بات کو غیر معمولی پیرایے میں بیان کرکے اس سے منطقیانہ استدلال پیدا کرنے کے موجد بھی وہی ہیں، جوش و سرمستی میں مولانا روم و حافظ اور تمثیل و تشبیہ میں صائب و سعدی و کلیم کے پیش رو بھی وہی ہیں لیکن نثر میں اس درجہ و پایہ کی کوئی یادگار نہیں، ان کے کچھ خطوط سے ضرور یہ اندازہ لگایا گیا کہ وہ موثر نثر نگار بھی تھے، علامہ شبلی نے شعر العجم میں ان کے ایک مکتوب کا ذکر بھی کیا ہے، یہ مکاتیب اول تو بہت کم اور پھر منتشر بھی تھے، ان کے جمع و تدوین و تصحیح و مراجعت کا نہایت دشوار گزار فریضہ پروفیسر نذیر احمد نے انجام دیا اور سترہ مکاتیب کا ایک مجموعہ ۱۹۶۲ء میں شایع کیا، ۷۷ء میں دوبارہ چند اضافوں کے ساتھ پھر یہ طبع ہوا، اب زیر نظر تالیف ایران سے شایع ہوئی جس میں حواشی، تعلیقات، تصحیح اور انڈکس کا پورا اہتمام کیا گیا ہے، مقدمہ میں حکیم سنائی کے احوال، دیوان، کلیات اور دیگر شعری مجموعوں کی تفصیل ہے، سنائی کے سال وفات میں سخت اختلاف ہے، بعض تذکرہ نگاروں نے اس کے ذکر ہی سے صرف نظر کیا، علامہ شبلی بھی اس کا تعین نہیں کرسکے مگر مولانا سید سلیمان ندوی نے مراجعت و تحقیق کے بعد ۵۴۵ھ کو قابل قبول قرار دیا لیکن معارف ۶۱ء ہی میں حافظ غلام مرتضی نے ۵۲۵ھ کو سال وفات تسلیم کرنے میں "کسی قسم کا تناقض" محسوس نہیں کیا، زیر نظر کتاب میں فاضل گرامی مرتب اس پر مبسوط بحث کرنے کے باوجود کسی حتمی نتیجے پر نہیں پہنچے اور صرف اتنا کہا کہ "پس فوت سنائی حتماً پیش از سال ۵۵۰ روی دادہ باشد" تاہم یہ بحث اب بھی محققین سنائی کو دعوت غور و فکر دیتی ہے، یہ مکاتیب تصوف و عرفان و فلسفہ کے اہم نکات پر مشتمل ہیں، خصوصاً اہل بیت کی مدح اور

بنی امیہ کی قدح میں سنائی کا جوش صاف نمایاں ہے، اس سلسلے میں متعدد احادیث بھی بیان کی گئی ہیں لیکن بقول علامہ شبلی حکیم صاحب محدث نہ تھے اس لیے یہ ساری حدیثیں وضع اور جعلی ہونے کی وجہ سے ان کی دلیل نہیں ہوتیں، فاضل مرتب نے بھی حواشی میں ان احادیث کی حقیقت واضح کردی ہے مثلاً عمر خیام کے نام نامہ ہشتم میں "سافروا، تصحوا و تغنموا" کے قول کو بطور حدیث پیش کیا گیا، حاشیے میں لکھا گیا کہ "این حدیث نیامدہ، نگاہ کنید بہ الجامع الصغیر" غرض یہ مجموعہ مکاتیب حکیم سنائی کے علم و حکمت کے ساتھ فاضل مرتب کی ژرف نگاہی اور تحقیق کی محنت کا بہترین نمونہ ہے۔

آزاد ہندوستان میں مسلم تنظیمیں، ایک جائزہ: از ڈاکٹر سید عبدالباری، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد گرد پوش، صفحات ۳۶۸، قیمت: ۲۵۰ روپے، پتہ: قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرس ۲۰۳۵، قاسم جان اسٹریٹ، بلی ماران، دہلی ۶۔

آزادی کے بعد، پچاس برسوں تک ہندوستانی مسلمانوں کے سود و زیاں کا جائزہ و احتساب اس معلومات انگیز کتاب کا سبب تالیف ہے، جماعتوں اور تنظیموں سے فاضل مولف کا عملاً تعلق رہا ہے، اس لیے ان پر ان کی نظر وسیع ہے، چنانچہ انہوں نے ملک کی چودہ اہم تنظیموں اور اداروں مثلاً جمعیۃ العلما، جماعت تبلیغ، جماعت اسلامی، امارت شرعیہ، مسلم مجلس مشاورت، مسلم پرسنل لا بورڈ، ملی کونسل اور مسلم لیگ وغیرہ کا انتخاب کیا، ایس، آئی، ایم اور انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز بھی اس میں شامل ہیں، اس طرح فہرست میں تنظیمیں ہی غالب ہیں، دیوبند، ندوہ، دارالمصنفین، مسلم یونیورسٹی، دینی تعلیمی کونسل، اردو رابطہ تحریک اور تحریک پیام انسانیت وغیرہ سے شاید طوالت کے خوف سے صرف نظر کیا گیا، حرف آغاز میں واضح کیا گیا کہ یہ روداد سے بڑھ کر جائزہ ہے کہ مثبت کوششوں کے اعتراف کے ساتھ کوتاہیوں اور ناکامیوں کی جانب بھی اشارہ کردیا جائے، جمعیۃ العلما کے باب میں مولانا حفظ الرحمن سے مولانا اسعد مدنی تک جمعیۃ کی روداد قریب بیس صفحات میں بیان کرنے کے بعد اعتراف کیا گیا کہ "یہ اب بھی مسلمانوں کے مسائل میں کچھ نہ کچھ خدمات انجام دیتی رہتی ہے" لیکن دو سطروں کے بعد یہ جملہ بھی ہے کہ "اب یہ اپنے ہیڈ کوارٹر سے آگے عوامی سطح پر سرگرم نہیں"، یہ خیال بھی ہے کہ "اس جماعت میں باشعور، متحرک اور دین دار افراد کار کی تیاری پر توجہ نہیں رہی" لیکن معاً بعد یہ جملہ بھی ہے کہ "اس حلقے سے ابھرنے والے بہت سے سادہ مزاج، محنتی، جفاکش اور صاحب کردار افراد ملک کے مختلف ملی

اداروں کے لیے اچھے کارکن کی حیثیت سے سامنے آتے رہے''، امارت شرعیہ کا ذکر محض روداد ہے، مصنف نے اس کو صدفی صد نمبر دیے ہیں، توقع ظاہر کی ہے کہ ملک کے ہر صوبے میں ایسی ہی تنظیم مطلوب ہے، کیوں کہ اس کی مساعی سے بہار و اڑیسہ کے مسلمانوں کی دینی حالت زیادہ بہتر، ملی شعور زیادہ بیدار اور فرقہ و مسلک کا اختلاف اور باہمی ٹکراو بہت کم ہے'' لیکن اس دعوی کی واقعیت خصوصاً فرقہ بندی اور ذات پات کے تعصب کی مثالوں سے مشکوک نظر آتی ہے، تبلیغی جماعت کو کارنامے سے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ اکرام مومن کے اصول پر عمل پیرا ہے، لیکن یہ شکوہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے اجتماعی اور مثبت کاموں سے وہ کنارہ کش بھی ہے اور اداروں کا ذکر و جائزہ بھی اس مفاہمتی اسلوب میں ہے کہ غالب حصہ ان سب کی مدح و ستائش کے لیے وقف ہے، حالانکہ تمہید میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ بعد کی تفصیل سے جدا بلکہ متضاد ہے یعنی ''مسلمان ایک سیکولر اور جمہوری نظام حکومت میں اپنے روز افزوں زوال کو روکنے میں ناکام رہے، تعلیم و اقتصادیات میں ان کا انحطاط دل ہلا دینے والا ہے، مسلم جماعتوں نے اقتصادیات سے بہت کم تعلق رکھا، کسی جماعت نے نجات دلانے کی جد و جہد نہیں کی، ذمہ دار، جواب دہ اور مخلص قیادت کا فقدان رہا بلکہ نہایت نا اہل، ناکارہ، بے ضمیر و بے شعور افراد منظر عام پر آتے رہے'' وغیرہ، متن و تشریح کا یہ تضاد ممکن ہے مصلحت و مروت کی بنا پر ہو، تاہم اخلاص و دردمندی نے اس جائزے کو پر اثر بنا دیا ہے، یہ توقع بھی بجا ہے کہ اس سے فکر و نظر کے دروا ہوں گے اور خود احتسابی اور اصلاح کا عمل آسان ہوگا۔

دارالمصنفین کی تاریخی خدمات: از ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، صفحات ۳۸۴، قیمت: ۲۰۰ روپے، پتہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ۴۔

دارالمصنفین، علامہ شبلی کی یادگار اور ان کی اس آرزو کی تکمیل ہے کہ علما و اہل قلم کی ایک جماعت، اسلام کی نئی ضرورتوں کو پورا کرنے میں ہمیشہ سرگرم عمل رہے، علم و ادب، تحقیق و تنقید اور تاریخ و تہذیب میں اس ادارے نے جو عظیم الشان خدمات انجام دیں ان کا اعتراف مبالغہ ہے نہ خود ستائی بلکہ ان کا جائزہ بجائے خود ایک قابل قدر علمی کاوش ہے، برسوں پہلے ڈاکٹر خورشید نعمانی ردولوی نے اسی احساس کے پیش نظر دارالمصنفین کی ادبی خدمات کے نام سے عمدہ کتاب تیار کی، زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں نوجوان اور ہونہار مصنف نے دارالمصنفین کی ان کاوشوں کا

استقصاء کیا ہے جو تاریخ نویسی سے متعلق ہیں، یہ کتاب اصلاً ان کی ریسرچ کا مقالہ ہے اس میں علامہ شبلی سے موجودہ رفقاء تک کی ہر کاوش کا مطالعہ و تجزیہ کر کے انہوں نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے، سات ابواب میں منقسم کتاب کا پہلا باب علامہ شبلی سے پہلے اردو تاریخ نگاری کی روایت کے لیے خاص ہے اور بعد کے ابواب میں علامہ شبلی، مولانا سید سلیمان ندوی، شاہ معین الدین ندوی اور سید صباح الدین عبدالرحمن اور دوسرے رفقائے دارالمصنفین کی تاریخی نگارشات پر مبسوط بحث کی گئی ہے، تاریخ اسلام اور تاریخ ہند کے علاوہ علوم و فنون اور اسلامی درس گاہوں کی تاریخ نگاری بھی اس جائزے میں شامل ہے، ایک بحث رسالہ معارف کے تاریخی مضامین پر بھی ہے، اس لیے یہ دعوی غلط نہیں کہ اس میں دارالمصنفین کے کل سرمایے کی تفصیل آگئی ہے، محنت، جاں فشانی اور سلیقۂ تحریر کی خوبیوں کی وجہ سے اس مقالے کو خدا بخش لائبریری نے فخریہ اپنے سلسلۂ مطبوعات میں شامل کیا اور اس کے لیے وہ لائق تبریک و تحسین ہے۔

مولانا محمد عبدالرحمن محدث مبارک پوری، حیات و خدمات: از ڈاکٹر عین الحق قاسمی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، صفحات ۲۶۰، قیمت: ۹۰ روپے، پتہ: مکتبہ نعیمیہ، صدر بازار، مئوناتھ بھنجن، یوپی۔

صاحب تحفۃ الاحوذی، مولانا عبدالرحمن مبارک پوری، علم حدیث میں اپنی عظمت و جلالت شان اور عمل میں سلف صالحین کی یادگار ہونے کی وجہ سے محتاج تعارف نہیں، ان کا شمار محدثین ہند کی پہلی صف میں ہوتا ہے لیکن بایں فضل و کمال، ان کے سوانح کی تدوین کی اب تک کوئی جامع کوشش نہیں ہوئی، زیر نظر کتاب نے اس کمی کی تلافی بحسن و خوبی کی ہے، لائق مصنف نے بڑی محنت سے مولانا کے مولد و منشا، خاندان، عہد و ماحول، تعلیمی و تدریسی مشاغل، فقہ و افتا اور طبابت و حکمت اور شخصیت کا جامع مرقع تیار کر دیا، لیکن اصل باب مولانا کی خدمت حدیث کا بیان ہے جس میں تحفۃ الاحوذی کے علاوہ ابکار المنن کے متعلق مفید و کارآمد مباحث آگئے ہیں، اس سلسلے میں علامہ شوق نیموی سے ان کی خط و کتابت بھی پڑھنے کے لائق ہے، عربی اور اردو میں مولانا کے اور مطبوعہ و غیر مطبوعہ رسائل کا ذکر بھی تفصیل سے ہے یہ کتاب بھی اصلاً لائق مصنف کا تحقیقی مقالہ ہے جس پر لکھنؤ یونیورسٹی نے ان کو ڈاکٹریٹ کی سند تفویض کی، زبان و بیان، تحقیقی مواد، محنت اور اعتدال کے اعتبار سے یہ علمی تحقیق کا اچھا نمونہ ہے۔

شیخان الملقب بہ عینان تجریان: از جناب مولانا محبوب احمد بن مولانا محمد قمر الزماں

صاحب الہ آبادی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، صفحات ۱۴۴، قیمت: درج نہیں،

پتہ: مکتبہ دار المعارف ۴۹۶/۷/۴۰، بخشی بازار، الہ آباد، یوپی۔

یہ مختصر لیکن پراثر کتاب وقت کے دو اہم مصلح بزرگوں مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری اور مولانا شاہ محمد احمد پرتاپ گڑھی کے پاکیزہ احوال پر مشتمل ہے، گو مولانا فتح پوری کے مفصل سوانح تذکرۂ مصلح الامت میں آچکے ہیں اور اس کے مولف جناب مولانا قمر الزماں الہ آبادی نے اقوال سلف حصہ ششم میں مولانا پرتاپ گڑھی کے حالات و ارشادات بھی جمع کر دیے ہیں، تاہم مزید نفع کی غرض سے ان دونوں بزرگوں کے سوانح اس کتاب میں یکجا کر دیے گئے ہیں، ملفوظات کا خاصہ اضافہ بھی کیا گیا، جس سے افادیت اور بڑھ گئی ہے۔

جستجو: از جناب جگن ناتھ آزاد، متوسط تقطیع، کاغذ و کتابت و طباعت بہتر، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۴۳۶، قیمت: ۲۰۰، پتہ: انجمن ترقی اردو ہند، اردو گھر ۲۱۲ راؤز ایونیو، نئی دہلی ۲۔

جناب جگن ناتھ کی شاعری کے متعلق مضامین کی پاکیزگی، بیان کی شگفتگی، پختہ مشقی اور خیال کی بلندی کا ذکر تحصیل حاصل ہے، وہ اس وقت اردو کے ان شعرا میں ہیں جن سے غزل بلکہ سخن کی آبرو قائم ہے، ان کے متعدد مجموعے شایع ہو چکے ہیں اور ہر مجموعہ نے اہل نظر سے داد حاصل کی ہے، زیر نظر مجموعہ ان کے شوق جستجو کی نئی منزل ہے، جس میں انہوں نے ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۷ء تک کی غزلوں، نظموں، رباعیات اور اشعار کا انتخاب پیش کیا ہے، جناب آزاد کی زود گوئی حیرت و استعجاب کا اگر سبب ہے تو غیب سے مضامین کا یہ مسلسل نزول قابل رشک بھی ہے، ان کو خوب علم ہے کہ اس ساری زمزمہ خوانی اور پریشاں نوائی کا مقصود خفتوں کو خواب غفلت سے بے دار کرنا ہے ؎

فریاد سے مقصود تھا سوتوں کو جگانا ورنہ مجھے کچھ کام نہ تھا آہ و فغاں سے

میلاد النبی ﷺ نظم میں انہوں نے اپنے کرب و گداز کا اصل سبب بیان کر دیا کہ

تو نے انسان کو انسان سے آگاہ کیا اے ترے نام سے پیدا مرے سینے میں گداز

لیکن چند سال بعد حیرت ہے کہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ

اس بات کا فخر ہے کہ اپنے سر کو سائنس کے رو برو جھکایا میں نے

یہ مجموعہ کلام سن وار ہونے کی وجہ سے جناب آزاد کی فکر و خیال کی منزلیں متعین کرنے میں ان کے محققین کے لیے کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ (ع۔ص)